إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

دسمبر ۲۰۲۴ء

مُدیر: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

CPL No. 296 Monthly Al Burhan December 2024

ڈاکٹر محمد امین کی چند اہم تصانیف

نمبر شمار	کتاب	صفحات
	عصری تعلیم کی اصلاح (اسلامی تناظر میں)	
۱	ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل	۴۵۰
۲	اسلامی سکول کے خدوخال	۸۰
۳	تعلیم اور اس کا اسلامی کردار	۱۶۷
۴	یکساں قومی نصاب-خدشات ومضمرات	۲۰۸
۵	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے معلمین	۱۲۰
۶	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے طلبہ وطالبات	۴۸
۷	پنج سورہ مع پارہ عم (اُردو تفہیم)	۷۶
۸	ایک نئی یونیورسٹی کی ضرورت	۱۲۰
۹	اسلامی علوم میں تحقیق	۲۷۲
	طلبہ کی اسلامی تربیت	
۱۰	تعلیمی ادارے اور کردار سازی — ای بک	۱۷۲
۱۱	تعلیمی اداروں میں تعمیر سیرت-ہینڈ بک وگائیڈ	۱۶۰
	اصلاحِ دینی مدارس	
۱۲	ہمارا دینی نظام تعلیم	۲۵۰
۱۳	نصابِ مدنیؒ	۴۰
۱۴	مدرسہ ڈسکورسز-مطالعہ وتجزیہ — ای بک	۱۵۶
۱۵	اصلاحِ دینی مدارس	۳۵۲
	اسلامی تحریکیں	
۱۶	پاکستان کی دینی قوتیں غیر مؤثر اور ناکام کیوں؟	۲۴۰
۱۷	خاموش انقلاب ناگزیر ہے	۲۸۸
۱۸	عصرِ حاضر میں دین کا متوازن تصور	۸۴
۱۹	نئی اصلاحی تحریک کی ضرورت	۷۲
	تزکیۂ نفس	
۲۰	اسلام اور تزکیۂ نفس (مغربی فکر کے ساتھ تقابلی مطالعہ)	۹۰۳
۲۱	حقیقت تزکیۂ نفس (سوالاً جواباً) — ای بک	۶۲
۲۲	اپنی اصلاح آپ کیسے؟	۵۶
۲۳	ترکِ رذائل (احمد جاوید)	۲۹۲
۲۴	عصر حاضر میں اسلام اور تعمیر سیرت	۴۰۴
	اسلام اور مغربی فکر وتہذیب	
۲۵	اسلام اور تہذیبِ مغرب کی کشمکش	۱۷۶
۲۶	اسلامی اور مغربی اصطلاحات کا تقابلی مطالعہ	۱۷۶
۲۷	اسلام اور ردِّ فکرِ مغرب	۲۱۶
	تفہیم دین	
۲۸	عروجِ اُمتِ مسلمہ (مسلم نشأۃ ثانیہ)	۳۸۴
۲۹	شاتم رسول کے قتل کی شرعی حیثیت	۴۸
۳۰	رزمِ حق وباطل — ای بک	۸۰
۳۱	اسلام اور پاکستان — ای بک	۳۰۰
۳۲	عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون — ای بک	۲۵۰
۳۳	مقالاتِ امین (جلد اوّل) — ای بک	۶۷۶
۳۴	مقالاتِ امین (جلد دوم) — ای بک	۶۴۲
۳۵	جہاد اور دہشت گردی-عصری تطبیقات — ای بک	۱۳۰
	اللغة العربية	
۳۶	السلطة التشريعية_دراسة مقارنة — ای بک	۱۵۰
	English Books	
۳۷	Islamization of Laws in Pakistan	250
۳۸	Riyaz us Saliheen I & II	950
۳۹	Literal Translation of the Holy Quran Para 1-10	500

مکتبہ البرہان
136-نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
0336-1913636

تدریس القرآن

قرآن حکیم کا ترجمہ سیکھنے کے لیے

سبق: ۱۰

(آیت: ۴۰-۴۶)

سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ

ایاتھا ۲۸۶ | رکوعاتھا ۴۰

یٰبَنِیۡۤ	اِسۡرَآءِیۡلَ	اذۡکُرُوۡا	نِعۡمَتِیَ	الَّتِیۡۤ	اَنۡعَمۡتُ	عَلَیۡکُمۡ	یٰبَنِیۡۤ	بنی آدم، بنی اسرائیل، محمد بن قاسم
اے بیٹو	یعقوب کے	تم یاد کرو	نعمتیں میری	جو	انعام کیں میں نے	تم پر	اذۡکُرُوۡا	ذکر، اذکار، ذاکر، مذکور
اے بنی اسرائیل تم میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کیں اور میرے								

وَاَوۡفُوۡا	بِعَهۡدِیۡۤ	اُوۡفِ	بِعَهۡدِكُمۡ	وَاِیَّایَ	فَارۡهَبُوۡنِ (40)	اَنۡعَمۡتُ	نعمت، نعمتیں، انعام، منعم
اور تم وفا کرو	وعدہ میرا	میں وفا کروں گا	وعدہ تمہارا	اور صرف مجھ ہی سے	تم ڈرو۔	اَوۡفُوۡا	وفا، وفادار، ایفائے عہد
ساتھ کیا گیا وعدہ تم وفا کرو، تمہارے ساتھ کیا گیا وعدہ مَیں وفا کروں گا اور صرف مجھ						بِعَهۡدِكُمۡ	عہد و پیمان، ایفائے عہد

وَاٰمِنُوۡا	بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ	مُصَدِّقًا	لِّمَا	مَعَكُمۡ	فَارۡهَبُوۡنِ	ترغیب و ترہیب، رہبانیت
اور تم ایمان لاؤ	اس پر جو اتاری میں نے	تصدیق کرنے والی	اس کی جو	تمہارے پاس ہے	اَنۡزَلۡتُ	نازل، نزول، نزلہ
سے ہی ڈرو اور ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جو میں نے تمہاری طرف بھیجی ہے اور وہ تصدیق					مُصَدِّقًا	صدق، تصدیق، مصدق

وَلَا	تَكُوۡنُوۡۤا	اَوَّلَ	كَافِرٍۢ	بِهٖ	وَلَا	تَشۡتَرُوۡا	كَافِرٍ	کفر، کافر، کفار، تکفیر
اور نہ	تم ہو جاؤ	پہلے	انکار کرنے والے	اس کا	اور نہ	تم بیچو	تَشۡتَرُوۡا	بیع و شراء، مشتری
کرتی ہے اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے اور نہ تم ہو جاؤ اس کا پہلے انکار کرنے والے								

بِاٰیٰتِیۡ	ثَمَنًا	قَلِیۡلًا	وَاِیَّایَ	فَاتَّقُوۡنِ (41)	وَلَا	قَلِیۡلًا	قلیل، قلت، اقلیت
آیات میری	قیمت	تھوڑی پر	اور صرف مجھ ہی سے	پس تم ڈرو۔	اور نہ	فَاتَّقُوۡنِ	تقوی، متقی، متقین
اور نہ تم میری آیات کو بیچو تھوڑی قیمت (کے عوض) اور صرف مجھ ہی سے تم ڈرو۔ اور تم							

تَلۡبِسُوا	الۡحَقَّ	بِالۡبَاطِلِ	وَتَكۡتُمُوا	الۡحَقَّ	وَاَنۡتُمۡ	تَعۡلَمُوۡنَ (42)	تَلۡبِسُوا	لباس، ملبوسات، التباس
تم ملاؤ	حق کو	باطل سے	اور تم چھپاؤ	حق کو	جب کہ تم	جانتے ہو۔	تَكۡتُمُوا	کتمانِ حق، کتمِ شہادت
حق کو باطل کے ساتھ نہ بلاؤ اور (نہ) حق کو چھپاؤ جانتے بوجھتے۔							تَعۡلَمُوۡنَ	علم، عالم، معلم، معلوم

وَاَقِیۡمُوا	الصَّلٰوةَ	وَاٰتُوا	الزَّكٰوةَ	وَارۡكَعُوۡا	اَقِیۡمُوا	قائم، قیام، قیامت
اور تم قائم کرو	صلاۃ	اور تم ادا کرو	زکاۃ	اور تم رکوع کرو	الصَّلٰوةَ	صلاۃ، صلی اللہ علیہ وسلم
اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے					الزَّكٰوةَ	تزکیۂ نفس، مزکی

مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (43)	اَتَاْمُرُوْنَ	النَّاسَ	بِالْبِرِّ	وَتَنْسَوْنَ	الرّٰكِعِيْنَ	رکوع وسجود، رکعات
رکوع کرنے والوں کے ساتھ	کیا تم حکم دیتے ہو	لوگوں کو	نیکی کا	اور تم بھول جاتے ہو	اَتَاْمُرُوْنَ	امر، آمر، آمریت
والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ						

اَنْفُسَكُمْ	وَاَنْتُمْ	تَتْلُوْنَ	الْكِتٰبَ ؕ	اَفَلَا	تَعْقِلُوْنَ (44)	تَنْسَوْنَ	نسیان، نسیاً منسیا
اپنے آپ کو	حالانکہ تم	تم تلاوت کرتے ہو	کتاب کی	تو کیا نہیں	تم عقل کرتے ؟	اَنْفُسَكُمْ	نفس، نفوس، تنفس
کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم عقل نہیں کرتے؟						تَتْلُوْنَ	تلاوت، وحیِ متلو

وَاسْتَعِيْنُوْا	بِالصَّبْرِ	وَالصَّلٰوةِ ؕ	وَاِنَّهَا	لَكَبِيْرَةٌ	اِلَّا	تَعْقِلُوْنَ	عقل، عاقل، عقل مند، معقول
اور تم مدد لو	صبر سے	اور نماز سے	اور بے شک وہ	ضرور گراں ہے	مگر	اسْتَعِيْنُوْا	اعانت، استعانت، معاون
اور صبر اور نماز سے مدد لو اور بے شک یہ بہت گراں ہے							

عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (45)	الَّذِيْنَ	يَظُنُّوْنَ	اَنَّهُمْ	مُّلٰقُوْا	الْخٰشِعِيْنَ	خشوع وخضوع
عاجزی کرنے والوں پر۔	وہ لوگ	جو سمجھتے ہیں	کہ وہ	ملنے والے ہیں	يَظُنُّوْنَ	ظن، بدظن، حسنِ ظن
مگر عاجزی کرنے والوں پر۔ جو سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے					مُّلٰقُوْا	ملاقات، ملاقاتی

رَبِّهِمْ	وَاَنَّهُمْ	اِلَيْهِ	رٰجِعُوْنَ (46) ع		رٰجِعُوْنَ	رجوع کرنا، رجعت پسندی
اپنے ربّ سے	اور یہ کہ وہ	اس کی طرف	وہ لوٹنے والے ہیں۔			
اور اسی کی طرف لوٹ کر انہیں جانا ہے۔						

اہم نکات

مشکل الفاظ کے معانی

۱۔ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ اسرائیل کا مطلب ہے اللہ کا بندہ۔ بنی اسرائیل سے مراد یہودی ہیں۔

۲۔ تَشْتَرُوْا: شرا کا لفظ عربی میں خرید اور فروخت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں کہتے ہیں مشتری ہشیار باش۔

۳۔ تَلْبِسُوْا: لباس کو لباس اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جسم سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ التباس کا مطلب ہے دو چیزوں کو آپس میں ملا دینا تاکہ ملنے والے ہر عنصر کی شناخت واضح نہ رہے۔ مقصد یہ کہ حق کو باطل سے نہ ملاؤ اور لوگوں کو فکری انتشار میں مبتلا نہ کرو۔

۴۔ الصَّلٰوةَ: صلاۃ کے لفظی معنی دعا کرنے کے ہیں۔ اصطلاحاً اس سے مراد ہے اللہ کی مناجات اور اس سے دعا مانگنے کا وہ مخصوص طریقہ جسے ہم نماز کہتے ہیں۔

۵۔ الزَّكٰوةَ: لفظی معنی پاک کرنا یعنی مال کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا تاکہ باقی مال پاک صاف ہو جائے، دل مال کی محبت سے پاک ہو جائے اور غریبوں کی مالی مدد ہو جائے۔

(بقیہ صفحہ نمبر: ۶۲)

ماہنامہ البرہان لاہور

جلد ۲۸ — شمارہ ۱۲

Since 2010

برائے آن لائن مطالعہ
www.alburhaan.pk

دسمبر ۲۰۲۴ء / جمادی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ

آئینہ مضامین

مضمون	مصنف	صفحہ
فکرونظر		
مغربی ٹیکنالوجی کی مزاحمت ناگزیر ہے	مدیر	۴
مقالۂ خصوصی		
ہمارے معاشی بحران کا حل - قرآن کی روشنی میں	پروفیسر ڈاکٹر محمد امین	۶
تعلیم و تربیت		
- علماء کون ہیں؟	مریم جمیلہؒ	۱۱
- ''قابل بنو'' لڑکیو! آئی ٹی کی تعلیم حاصل کرو	مدیر	۱۷
- تعلیم کی نجکاری کے نقصانات	محمد ابراہیم	۱۹
- اپنی اصلاح پہلے، دوسروں کی بعد میں	حافظ محمد موسیٰ بھٹو	۲۹
- مخلوط تعلیم غیر اسلامی ہے اور اعلیٰ تعلیم ہر طالبہ کے لیے غیر ضروری ہے	مدیر	۳۰
تفہیم مغرب		
ٹرمپ کی کامیابی سے اسلامی انقلابی کیا سیکھ سکتے ہیں؟	ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری	۳۷
غامدیت		
- غامدی اور پرویز کے افکار میں مماثلت	مولانا ڈاکٹر الیاس فیصل	۴۴
تفہیم دین		
- مسلم فکر کی تاریخ کا مختصر جائزہ مسلم نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے	ڈاکٹر الطاف جاوید	۵۱
پاکستانیات		
- اجتماعی مایوسی سے کیسے بچا جائے؟	مفتی محمد تقی عثمانی	۵۷
- پاکستانی قوم کا اختلالِ مزاج	پروفیسر ڈاکٹر محمد ارشد	۵۸
فکرودانش		
ایک ارب پتی امریکی کی وصیت جو ہمارے لیے بھی سبق آموز ہے	اسٹیو جابز	۶۰
English Section		۶۲
Excluding Women from Public Order	Dr. Javed Akbar Ansari	

مدیر
ڈاکٹر محمد امین

ادارۂ تحریر
ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری
حافظ محمد عمران طحاوی

لیگل ایڈوائزر
محمد یحییٰ رشید، ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

انچارج سرکولیشن
(0300-4107282)
[برائے خریداری، تجدید، شمارہ تاخیر سے ملنے کی شکایت اور مکتبہ البرہان کی کتب کی خریداری کے لیے]

زرِاعانت: فی شمارہ 85 روپے
سالانہ 1000 روپے۔ پانچ سال: 5000 روپے
تاحیات 20,000 روپے

تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ
سونیری بنک لمیٹڈ، مین برانچ، لاہور
PK92SONE0000120000056341

برائے رابطہ
136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

کمپوزنگ: حافظ محسن یوسف
0306-4640366

فکر و نظر

مغربی ٹیکنالوجی کی مزاحمت ناگزیر ہے

اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین نے VPN کے حرام ہونے کے بارے میں حال ہی میں جو رائے دی، اسے لوگوں نے اس لیے سنجیدگی سے نہیں لیا کہ وہ اوقاف کے ملازم ہیں، ایک حکمران سیاسی جماعت سے ان کا تعلق ہے اور نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ بھی ایک سیاسی پوسٹ ہے جس کی تقرری میرٹ پر نہیں بلکہ عموماً سیاسی مفادات کے تحت ہوتی ہے اور موجودہ چیئرمین صاحب کی تقرری بھی اسی سیاسی پسِ منظر میں ہوئی ہے۔ پھر ہماری اسٹیبلشمنٹ اور حکومت نے اپنے سیاسی مخالفین کو سوشل میڈیا کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنے کے لیے X پر پابندی لگا رکھی ہے، فائروال درآمد کی ہے اور VPN پر پابندی بھی حکومتی خواہش ہوسکتی ہے اس لیے علماء اور عوام نے چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کی رائے کو اہمیت نہیں دی اور بعض علماء نے اس کی مخالفت بھی کی ہے۔

اگر ہم اس پس منظر سے ہٹ کر دیکھیں تو پوسٹ ماڈرنٹی نے جس طرح ذرائع ابلاغ کو لوگوں کے فکر و عمل کو بدلنے اور خصوصاً مغربی فکر و تہذیب سے باہر کی دنیا کو مسحور کرنے اور اسے ماڈرنٹی سے ہم آہنگ کرنے کا جو کام کیا ہے، اسے ہائیڈیگر جیسے فلسفی سے لے کر ڈاکٹر سائمن رامو (ناسا کے چیف سائنٹسٹ) جیسے سائنسدانوں بلکہ بہت سے مغربی دانشوروں نے جیسے لیوس ممفورڈ (Lewis Mumford)، اینڈریو طاسکو (Andrew Tatusko)، نیل پوسٹ مین (Neil Postman)، جیکوئس ایلول (Jacques Ellul)، آئیوان الیچ (Ivan Illich)، لانگڈن وِنر (Langdon Winner)، جوزف ویزن بام (Josseph Weizenbaum)، تھیوڈور روزاک (Theodore Roszak) وغیرہ نے اسے دینی اقدار کا مخالف اور مخربِ اخلاق قرار دیا ہے۔ ٹیکنالوجی کے اس منفی کردار کے بارے میں خود امریکہ و یورپ میں بے شمار تحقیقات ہوچکیں اور سیکڑوں کتابیں اور اس کے خلاف لکھی جاچکی ہیں۔

پھر اس ٹیکنالوجی کا اسلامی اقدار کا مخالف ہونا اظہر من الشمس ہے۔ انٹرنیٹ، ٹی وی، موبائل وغیرہ نے جس طرح مسلم خاندانی نظام کو مجروح کیا ہے، جس طرح نوجوانوں کے اخلاق خراب کیے ہیں، جس طرح اسلامی اقدار کو بے وقعت کیا ہے، یہ ٹیکنالوجی اسی قابل ہے کہ اس کی مزاحمت کی جائے اور اسے نہ اپنانے اور ترک کرنے کی مہم چلائی جائے۔ سوال یہ ہے کہ جب مغربی مفکرین اور دانشور خود اس ٹیکنالوجی کو خلاف دین اور مخرب اخلاق کہہ رہے ہیں تو اسے 'انتہاپسندی، مولویت اور رجعت پسندی' کہنے کا کیا جواز ہے؟ اور اگر ہمارے ہاں سطحی قسم کے لبرل اور سیکولر دانشور ایسا کہیں بھی تو انہیں اگنور کرنا چاہیے۔

جن لوگوں کو اپنا دین، اپنی اقدار اور اپنا کلچر عزیز ہے، ان کا فرض ہے کہ وہ مغربی فکر و تہذیب کے ان اندھے مقلدوں اور فکری غلاموں کے خلاف مزاحمت کریں اور لوگوں کے اندر بیداری پیدا کریں کہ ان مخربِ اخلاق مشینوں کو ہم استعمال نہیں کریں گے۔ ہم کئی ٹھوس اسکالرز لوگوں کو جانتے ہیں جنہوں نے گھر میں ٹی وی نہیں رکھا اور جو موبائل استعمال نہیں کرتے۔ کچھ سال پہلے جماعت الدعوۃ نے اپنی جماعت میں ٹی وی توڑنے کی مہم چلائی تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ دین دار اور پڑھے لکھے نوجوانوں کو یہ مہم چلانی چاہیے کہ لوگ ان مشینوں اور آلات کا استعمال ترک کر دیں۔ اگرچہ 'سد الذریعہ' کے فقہی اصول کے مطابق علماء کرام اسے مکروہ اور حرام قرار دے سکتے ہیں لیکن ہم کہیں گے کہ اس رویے کو 'فتویٰ' کے ذریعے روکنے کی بجائے دلائل سے روکا جائے اور لوگوں کو قائل کیا جائے کہ ان نقصان دہ اور مخربِ اخلاق مشینوں کے استعمال سے بچا جائے۔

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

مقالۂ خصوصی / تفہیم دین

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

اسلام اور عصری مسائل

ہمارے معاشی بحران کا حل۔قرآن کریم کی روشنی میں

ماڈل ٹاؤن لائبریری، لاہور میں راقم کے ’اسلام اور عصری مسائل‘ پر لیکچر سیریز کا پہلا خطاب منعقدہ ۲ نومبر ۲۰۲۴ء

* تعمیر فرد جو اسلام کی معاشی تعلیمات پر کما حقہ عمل کر سکے * تقسیمِ دولت کے نظام کو فعال کیا جائے
* سادگی کو اپنایا جائے * بیرونی اور اندرونی قرض خواہوں سے معذرت کر لی جائے

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ [الانعام ۶:۳۸] ’’یعنی ہم نے اپنی کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، سب کچھ لکھ دیا ہے۔‘‘ اور دوسری جگہ فرمایا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ [الانبیاء ۲۱: ۱۰۷] ’’یعنی اے پیغمبر! ہم نے تمھیں سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔‘‘ مطلب یہ کہ تمہارے ذریعے بھیجا گیا پیغام کسی ایک قوم یا کسی ایک زمانے کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ قیامت تک سب لوگوں کے لیے ہے۔ اس لیے ہم مسلمان بجا طور پر یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہمارے ہر سوال کا واضح یا اصولی جواب قرآن وسنت میں موجود ہے۔ اسی حوالے سے ہم نے غور کیا تو ہمیں درپیش مالی بحران کے حوالے سے قرآن حکیم سے مندرجہ ذیل رہنمائی ملی:

نزولِ احکام سے پہلے تعمیرِ فرد

* شراب نوشی کے قطعی حرام ہونے کا حکم تین ہجری میں غزوہ اُحد کے بعد نازل ہوا اور اس پر اس طرح عمل ہوا کہ شراب مدینہ کی گلیوں میں بہنے لگی۔ جام وسبو توڑ دیئے گئے۔ جس کے ہاتھ میں جام تھا اور وہ پی رہا تھا، اس نے جام پھینک دیا، جس کے منہ میں شراب تھی اس نے کلی کر دی اور جس کے پیٹ میں تھی اس نے قے کر دی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر شراب نوشی کے حرام ہونے کا حکم ابتدائے اسلام میں نازل ہو گیا ہوتا تو صحابہ کرامؓ اس پر عمل نہ کر سکتے لیکن شراب نوشی کے حرام ہونے کا حکم بتدریج نازل ہوا اور قطعی حکم اس وقت نازل ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہؓ کی تربیت کرتے ہوئے پندرہ برس بیت چکے تھے۔ سود کے حرام ہونے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری سال نازل ہوا اور نماز روزے جیسے بنیادی

احکام شروع میں نازل کیے گئے اور جوں جوں آپ ﷺ صحابہؓ کی تربیت کرتے گئے، احکام نازل ہوتے گئے اور صحابہؓ ان پر عمل کرتے گئے۔

اس سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے عقائد نازل فرمائے اور جب وہ لوگوں کے دل ودماغ میں راسخ ہو گئے اور آپ ﷺ کی تربیت صحابہؓ کے قلوب واذہان کو صیقل کرتی گئی تو احکام نازل ہوتے گئے تاکہ صحابہؓ ان پر عمل کرسکیں۔ خلاصہ یہ کہ پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم الٰہی کے مطابق صحابہؓ کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرہ ۲:۱۵۱] ''(یہ انعام ایسا ہی ہے) جیسے ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے، تمہارا تزکیہ کرتا ہے، اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔'' تاکہ ان کے اندر تعلیماتِ اسلام پر عمل کرنے کا داعیہ راسخ ہو جائے پھر ان سے عمل کا مطالبہ کیا اور انہوں نے بہترین طریقے سے اس پر عمل کر کے دکھایا۔

* ماضی قریب کے ایک بزرگ عالم اور صوفی مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے اپنی بعد عصر کی مجلس میں فرمایا کہ اگر مجھے حکومت مل جائے تو پہلے دس سال تک لوگوں کی اصلاح کروں گا۔ مطلب یہ کہ اگر حکومت مل بھی جائے تو دس سال تک حدود نافذ نہیں کروں گا، لوگوں سے احکام پر عمل کا سختی سے تقاضا نہیں کروں گا بلکہ پہلے دس سال تک ان کی ذہن سازی کروں گا، ان کی تربیت کروں گا، ان کی اصلاح کروں گا تاکہ لوگ بخوشی احکامِ شریعت پر عمل کرنے کے لیے ذہنی اور قلبی طور پر تیار ہو جائیں۔

* کیا میرا اور آپ کا روزمرہ کا مشاہدہ نہیں کہ مالی کرپشن (جیسے رشوت، فراڈ، سود خوری، دھوکہ دہی، چوری، ڈاکا وغیرہ) کے خلاف قرآن وسنت میں جو احکام موجود ہیں ان سے ہر مسلمان واقف ہے۔ پھر ان کے خلاف ہماری پارلیمنٹ نے قوانین بنا رکھے ہیں جن میں ان جرائم کے مرتکبین کے خلاف سزاؤں کا ذکر موجود ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے معاشرے

میں مسلمان ان جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان سے باز نہیں آتے۔ حدود قوانین ۱۹۷۹ء سے نافذ ہیں لیکن ۴۵ سال گزرنے کے باوجود آج تک کسی حد پر عمل نہیں ہوا حالانکہ پاکستان میں جرائم کی کثرت ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے سوائے اس کے کہ نہ حکمران ان سزاؤں پر عمل درآمد کرنا چاہتے ہیں نہ ہمارے جج اور پولیس اور نہ ہی عوام۔

* راقم جب ۱۹۹۵ء میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی میں پڑھاتا تھا تو اس میں ایک پروگرام سینئر سول ججز اور ایڈیشنل ڈسٹرکٹ ججز کی ٹریننگ کا بھی تھا۔ اس سلسلے میں ہم نے سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب جسٹس افضل ظلہ صاحب کو ایک تقریب میں تقریر کے لیے بلایا۔ چائے کے وقفے میں راقم نے ان سے پوچھا کہ جب آپ چیف جسٹس تھے تو قصاص ودیت کے قانون کے خلاف اپیل ۹ سال تک آپ کے پاس پڑی رہی لیکن آپ نے اپیل نہیں لگائی اور لوگ آپ پر الزام تراشی کرتے رہے کہ آپ حکومتی ایماء پر اسلامی قانون سازی سے احتراز کر رہے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ مَیں دیانت داری سے یہ سمجھتا تھا کہ ہمارا معاشرہ اس قسم کی سزاؤں کے نفاذ کے لیے تیار نہیں۔ چنانچہ جب ۹ سال بعد ہماری تائید سے یہ قانون نافذ ہو گیا تو سارے پاکستان کے ڈرائیوروں نے ہڑتال کر دی کہ دیت کی اتنی بڑی رقم بیچارا غریب ڈرائیور کیسے ادا کرے گا؟ اور اب بھی اس قانون پر عمل درآمد نہیں ہو رہا۔

* نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب نبوت ملی تو معاشرے کو بہت سے مسائل درپیش تھے سیاسی، سماجی، معاشی، اخلاقی، قانونی وغیرہ لیکن آپ نے ان مسائل کے حل کے لیے براہ راست ان کو ٹارگٹ نہیں کیا۔ آپ نے معاشی مسئلے کے حل کے لیے کوئی پانچ سالہ منصوبہ نہیں بنایا، نہ مکہ میں اور نہ مدینہ میں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو انسان تیار کیے ان کی جدوجہد کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ۱۰ سال بعد حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں زر و جواہر کے ڈھیر دیکھ کر رو پڑے کہ اس کثرتِ دولت کے مسلمانوں پر بُرے اثرات پڑیں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایک صدی کے اندر مسلم معاشرے میں دولت کی کثرت کا یہ حال تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ معاشی منصوبہ بندی اور مسلم معاشرے کے معاشی مسائل حل کرنے کے لیے کوششیں بھی ضروری ہیں لیکن ان سب سے اہم تر بات یہ ہے کہ تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس

سے ایسے افراد تیار کیے جائیں جو اسلام کے معاشی احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جب تک ایسے افراد تیار نہ کیے جائیں، معاشی بہتری کے لیے محض قانون بنا دینے سے ہمارا معاشی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

تقسیمِ دولت کا مؤثر نظام

قرآن حکیم نے تقسیمِ دولت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ كَيۡ لَا يَكُوۡنَ دُوۡلَةًۢ بَيۡنَ الۡاَغۡنِيَآءِ مِنۡكُمۡ ؕ﴾ [الحشر ۵۹:۷]

’’تاکہ وہ مال صرف انہی کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے جو تم میں دولت مند لوگ ہیں۔‘‘

اور دولت کے ارتکاز کی مذمت کرتے ہوئے کہا:

﴿يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ ؕ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ﴿۳۵﴾﴾ [التوبہ ۹:۳۵]

’’جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور کہا جائے گا کہ) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، اب چکھو اس خزانے کا مزہ جو تم جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے۔‘‘

تقسیمِ دولت کے لیے قرآن حکیم نے متعدد طریقے اختیار کیے مثلاً سود کو حرام قرار دیا[۱]، زکوٰۃ اور عشر کو واجب قرار دیا[۲]، بخل سے منع کیا[۳] اور صدقاتِ نافلہ کی ترغیب دلائی[۴]۔ مقصد ان سب کا یہ تھا کہ جن کے پاس دولت ہے، اس کا کچھ حصہ غریبوں کو منتقل ہوتا رہے اور

---

[۱] البقرہ ۲:۲۷۵

[۲] البقرہ ۲:۴۳؛ الانعام ۶:۱۴۱

[۳] الحدید ۵۷:۲۴

[۴] الماعون ۱۰۷:۳

ایسا نہ ہو کہ امیر امیر تر ہوتے رہیں اور غریب غریب تر ہوتے چلے جائیں۔

پاکستان میں اس وقت جو معاشی بحران ہے اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ یہاں تقسیم دولت کا مؤثر نظام کام نہیں کر رہا۔ سارا معاشی نظام سود پر مبنی ہے۔ سرمایہ داری اور جاگیرداری کو ختم نہیں کیا گیا (حالانکہ ہمارے ہمسائے بھارت نے تقسیم ملک کے فوراً بعد جاگیرداری کے خاتمے اور سرمایہ داری کو حدود کے اندر رکھنے کے کئی اقدامات کیے)۔ بیرونی قرضوں پر سود کی ادائیگی تو حکومت کی مجبوری ہو سکتی ہے لیکن حکومتِ پاکستان کا داخلی قرضوں کا سارا نظام بھی سود پر مبنی ہے۔ بینکوں کے سود کو ’’پرافٹ‘‘ کا نام دے دیا گیا ہے۔ اسلامی بینکاری بھی سود ہی کا ایک حیلہ ہے۔ حکومت کو چھوڑیے، پرائیویٹ سیکٹر میں بھی سود ہمارے ہاں مروج ہے۔ اس سب کے نتیجے میں معاشی بدحالی کے ساتھ بے برکتی بھی شامل ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سود کو اللہ و رسول کے خلاف جنگ قرار دیا ہے اور ظاہر ہے جو مسلم معاشرہ اللہ و رسول کے خلاف جنگ کر رہا ہو اس میں معاشی خوش حالی کیسے آ سکتی ہے؟

پاکستان میں زکوٰۃ و عشر کا نظام غیر مؤثر ہے۔ یاد رہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کا نظام بہت وسیع ہے۔ زکوٰۃ دولت پر بھی ہے، لائیو سٹاک (مویشیوں) پر بھی، فصلوں پر بھی اور کان کنی پر بھی اور اگر اس پر مؤثر طریقے سے عمل کیا جائے تو تقسیم دولت کا ایک وسیع نظام وجود میں آتا ہے اور یہ قومی آمدنی کی موجودہ صورتِ حال کو بدل کر رکھ سکتا ہے لیکن ہمارے ہاں تقسیم زکوٰۃ کا نظام اتنا ناقص ہے کہ عامۃ الناس حکومت پر اعتماد ہی نہیں کرتے اور حکومت کو زکوٰۃ نہ دینے کے حیلے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حکومت نے اس کے لیے بیت المال کے نام سے ایک چھوٹا سا ادارہ قائم کر رکھا ہے اور قومی خزانہ اس سے متاثر ہی نہیں ہوتا۔

سادگی

اسلام تعیش، سہولتوں، آسائشوں، پروٹوکول، فیشن، تکلف اور کرّ و فر کی بجائے سادگی کا درس دیتا ہے کیونکہ سادگی میں انسانوں کے لیے راحت ہے۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات نے آپ سے کشائش رزق کا مطالبہ کیا اور آپ ان مطالبات سے زِچ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آپ کو اختیار دے دیا کہ جو خاتون خانہ آپ کی سادگی اور

قناعت پر گزارا نہ کر سکے وہ طلاق لے کر فارغ ہو جائے[۱]۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے طرزِ عمل کو امت کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے[۲] اور اسی ازواجِ مطہرات کے مطالبے والے واقعے میں جب آپ (ﷺ) ایک صحابی کے بالا خانے پر تشریف رکھتے تھے تو حضرت عمرؓ حقیقت حال دریافت کرنے کے لیے وہاں گئے تو دیکھا کہ کھری چارپائی پر لیٹنے کی وجہ سے آپ کے جسم مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں تو انہوں نے کہا کہ قیصر و کسریٰ کے محلات آسائشوں اور راحتوں کا نمونہ ہوتے ہیں جبکہ آپ ﷺ دونوں جہانوں کے سردار ہیں اور آپ کی یہ حالت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرؓ! ان کے لیے دنیا ہے اور ہمارے لیے آخرت[۳]۔ حضرت عائشہؓ کے مطابق آپ کے گھر میں کئی کئی دن چولہا نہ جلتا تھا[۴] اور ایک زوجہ محترمہ نے آپ ﷺ کے بستر کو آرام دہ بنانے کے لیے دو گدے ڈال دیے تو آپ ﷺ نے صبح اٹھ کر اس سے منع کر دیا اور کہا کہ مجھے اس سے تہجد میں اٹھنے کے لیے مشکل ہوئی۔[۵]

اس کے برعکس ہمارے حکمرانوں، جرنیلوں، ججوں اور بیوروکریسی کے افسران کے رہن سہن، تنخواہوں اور سہولتوں کا جائزہ لیا جائے تو آدمی حیران و پریشان ہو جاتا ہے کہ غریب پاکستانی قوم، جس کے کئی کروڑ افراد خطِ غربت سے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں (یعنی ان کو بنیادی ضروریات زندگی بھی میسر نہیں) اور جہاں بیسیوں لوگ مہنگائی اور بے روزگاری سے تنگ آ کر خودکشی کر چکے ہیں اور جو زندہ ہیں ان کی زندگی مہنگائی نے اجیرن کر رکھی ہے لیکن ہماری اشرافیہ تعیّشات ترک کرنے اور سادگی اختیار کرنے کو تیار نہیں۔ اگر ہمارے حکمران طبقات سادگی اختیار کر لیں تو کروڑوں نہیں اربوں روپے سالانہ کی بچت ہو سکتی ہے اور غریبوں کو نانِ جویں میسر آ سکتا ہے۔

---

[۱] الاحزاب ۳۳:۲۸

[۲] الممتحنہ ۶۰:۶

[۳] صحیح بخاری، کتاب الطلاق

[۴] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۵۲۴۷

[۵] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی فراش رسول اللہ ﷺ

مقروض کو مہلت دو

قرآن حکیم کا چوتھا معاشی اصول یہ ہے کہ ضرورت مندوں کو قرضِ حسنہ دو یعنی ان کو بلا سود قرض دو اور مقروض نے جو مدت قرض واپس کرنے کی طے کی ہے، اگر وہ اس میں قرض واپس نہ کر سکے (یعنی اس کا اندازہ تھا کہ اس عرصے میں اس کی مالی حالت سنبھل جائے گی لیکن نہیں سنبھلی) تو اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو، اسے مزید مہلت دے دو بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اسے قرض معاف کر دو۔ قرآن حکیم کے الفاظ یہ ہیں:

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿280﴾﴾ [البقرہ ۲:۲۸۰]

''اور اگر کوئی تنگدست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے، اور صدقہ ہی کر دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں زیادہ بہتر ہے، بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔''

اس اصول کا اطلاق ہمارے معاشی حالات پر یوں ہوتا ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے جو بیرونی سودی قرضے امیر ممالک سے لیے ہیں اور ہم انہیں ادا نہیں کر پا رہے بلکہ ہم بین الاقوامی مالیاتی اداروں (مثلاً IMF) سے مزید سودی قرضے لے رہے ہیں تاکہ ہم پہلے قرضوں کا سود ادا کر سکیں اور اسی وجہ سے ہماری مالی حالت اتنی ناگفتہ بہ ہو چکی ہے کہ ہمارے عوام بھوکوں مر رہے ہیں لہٰذا مذکورہ بالا قرآنی اصول سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ ہم اپنے قرض خواہوں سے درخواست کریں کہ وہ اگلے پانچ سال تک ہم سے قرض واپس نہ مانگیں۔ اس دوران ہم کوشش کریں گے کہ ہمارے مالی حالات سنبھل جائیں؛ اور ہم ان کا اصل زر قسطوں میں واپس کر دیں۔ اگر ہمارے قرض خواہ یہ نہ بھی مانیں تو ہمارے پاس اپنی بات پر اصرار کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ جب ہم قرض واپس کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے تو قرض کیسے واپس کریں۔ اس کو ہم آج کل کی اصطلاح میں پلانڈ ڈیفالٹ (Planned Default) کہہ سکتے ہیں۔ یعنی ہم قرض خواہوں کو قرض واپس کرنے سے معذرت کر لیں جب تک کہ ہمارے معاشی حالات سنبھل نہیں جاتے۔

لاطینی امریکہ کے کئی ملکوں نے اس طرح کا پلانڈ ڈیفالٹ کیا ہے اور قرض خواہ ادارے

مجبوراً اس پر مان گئے ہیں کیونکہ کوئی مقروض جب قرضہ ادا کرنے کی اہلیت ہی نہ رکھتا ہو تو وہ قرض کس طرح واپس کرسکتا ہے؟ ظاہر ہے قرض خواہ اس پر ناراض ہو سکتے ہیں اور دباؤ ڈال سکتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ محض اعصاب کی جنگ ہے۔ اگر ہمارے حکمران ہمت کریں اور ڈٹ جائیں تو قرض خواہ ان کا کیا بگاڑ لیں گے؟ وہ زیادہ سے زیادہ معاشی پابندیاں لگا سکتے ہیں تو لگا لیں۔ پاکستان کے مالی حالات اتنے بھی خراب نہیں کہ ہم زندہ نہ رہ سکیں۔ جب پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کیا تھا تو اس وقت پاکستان پر عالمی معاشی پابندیاں لگی تھیں، لیکن ہم اس جھٹکے کو برداشت کر گئے تھے اور اب بھی کر سکتے ہیں۔ پاکستان کی اکانومی، الحمدللہ، خود انحصاری پر مبنی ہے یعنی ہم امپورٹ کیے بغیر بھی گزارا کر سکتے ہیں۔ بات صرف اعصاب مضبوط رکھنے کی ہے۔ پاکستانی حکمران اگر ڈٹ جائیں کہ ہم قرض فوری واپس نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے عوام بھوکے مر رہے ہیں تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ قرض اتنا زیادہ نہیں ہے کہ کوئی ملک ہم پر حملہ کردے اور اگر بالفرض کردے تو کیا ہم نے چوڑیاں پہن رکھی ہیں؟ ہم نے اتنی بڑی فوج کاہے کو رکھی ہوئی ہے؟ لیکن ہمیں یقین ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ یہ صرف اعصاب کی جنگ ہوگی لہٰذا اس کے لیے عزم صمیم اور جرأت کی ضرورت ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ہمارا بیرونی قرضہ تھوڑا ہے اور اندرونی (لوکل) قرضہ بہت زیادہ ہے اور وہ بھی سودی ہے۔ یہ حکومت نے اپنے بینکوں سے لیا ہے جس کے مالک مقامی سرمایہ دار ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ حکومت ان بینکوں کو نیشلائز کرلے یا سود کی ادائیگی سے معذرت کرلے اور اصل زر کی واپسی کے لیے مہلت لے لے۔ اس سے یہ ہوگا کہ پاکستانیوں کا سارا ٹیکس ان پر خرچ ہوگا، مہنگائی کم ہو جائے گی، بے روزگاری کم ہو جائے گی اور عوام سکھ کا سانس لے سکیں گے۔

ہم حکمرانوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہماری ان تجاویز پر غور فرمائیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ان تجاویز پر سنجیدگی سے عمل درآمد کیا جائے تو ہمارا معاشی بحران ختم ہو جائے گا اور ہمارے معاشی حالات یقیناً بہتر ہو جائیں گے۔

تعلیم و تربیت　مریم جمیلہؒ

علماء کون ہیں؟

سیکولر، لبرل اور متجدد حضرات کا علماء کرام کے خلاف پروپیگنڈا بلا جواز ہے

آج کل سبھی مسلمان ممالک میں ایک مخصوص گروہ علماء کے خلاف ناپاک پروپیگنڈے میں مصروف ہے۔ یہ لوگ بڑے پُرفریب انداز میں عالم اسلام کے علماء کا مقابلہ قرون وسطیٰ کی یورپی مسیحی دنیا کے پادریوں سے کرتے ہیں اور عامتہ المسلمین کو متنفر کرنے کے لیے ان کی بڑی بھیانک تصویر کھینچتے ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ علماء عیش وعشرت کی زندگی گزارتے اور اپنے عقیدت مندوں کا استحصال کرتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو معاند فرقوں میں بانٹ رکھا ہے جو سب کے سب باہمی سر پھٹول اور جنگ وجدل میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ عالمِ اسلام اپنی ساری تاریخ میں جن مفاسد سے دوچار رہا ہے، ان کی ذمہ داری علماء پر عائد ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک ہم مسلمانوں کی پسماندگی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم نے دین کی تعبیر وتشریح کا حق واختیار علماء کو دے رکھا ہے۔ اس سارے اربعہ ستہ (صورت حال) سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی نجات اس میں ہے کہ اسلام کی ان تمام تعبیرات کو مسترد کر دیں جو یہ ادعا پسند علماء پیش کرتے ہیں۔ ان ”ملاؤں“ سے چھٹکارا پائیں اور اسلام کا ایک بالکل جدید قالب خود تیار کریں۔

علماء کون ہیں؟ کیا وہ پروہت ہیں؟ کیا وہ ایک موروثی حکمران ذات ہے جس میں غیر ذات کا کوئی آدمی شامل نہیں ہوسکتا؟ ان سب باتوں کا جواب یقیناً نفی میں ملے گا۔ ہر وہ مسلمان جو عربی زبان، قرآن، حدیث اور اسلامی فقہ کا ناگزیر مطلوبہ علم حاصل کر لیتا ہے، عالم کے مرتبے پر فائز ہوجاتا ہے۔ لیکن آج ہم ایک بے حد الم ناک صورت حال سے دوچار ہیں۔ ایک گروہ جو خالص انگریزی تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل ہے۔ جس کی ایک بڑی تعداد نے مسیحی مشنریوں کے جاری کردہ سکولوں اور کالجوں میں پڑھا ہے۔ جو نہ صرف اسلامی تعلیم کی تحصیل اور اس کی اہمیت کا منکر ہے، بلکہ جس کا قلب اس کے لیے اپنے دامن میں نفرت کے سوا اور کچھ نہیں رکھتا، وہ مصرّ ہے کہ اسے اسلام اور اس کے قوانین کی از سرِ نو تعبیر کا حق حاصل ہے۔ ان

لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ اسلام پر ''ملاؤں'' کا اجارہ نہیں ہے۔ یہ ایک نہایت بودا استدلال ہے۔ اگر کسی کام کے لیے علمی مہارت اور تربیت درکار ہے تو اسے ضروری شرائط پر پورا اُترنے والے لوگوں کے سوا اور کون بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے؟ پھر جو لوگ شریعت سے بالکل بے بہرہ ہیں، انہیں اجتہاد کی اہلیت کا سزاوار کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے؟

ہمیں اپنی ساری تاریخ میں علماء عیش وعشرت اور راحت وطمانیت کی زندگی سے دور بڑے صبر واستقامت کے ساتھ انتہائی ناقابل برداشت آلام وشدائد کا سامنا کرتے نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں کو تعذیب واذیت کس نے دی؟ مسیحیوں، یہودیوں یا ہنود نے نہیں، ہمارے اپنے حکمرانوں نے جن کے نام مسلمانوں کے سے تھے، جو نہیں چاہتے تھے کہ اسلام مملکت کے معاملات میں حصہ دار ہو۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ایسے جلیل القدر ائمہ کو ظلم وتشدد کیوں سہنا پڑا؟

اس لیے کہ انہوں نے معتزلہ کے مبتدعانہ افکار کی توثیق سے انکار کر دیا تھا جو اس زمانے کے حکمران طبقے میں بے حد مقبول تھے۔ امام احمدؒ کو کوڑوں کی ایسی سخت مار کیوں ماری گئی کہ اگر ہاتھیوں پر بھی پڑتی تو وہ چلا اٹھتے۔ امام ابن تیمیہؒ کا جرم کیا تھا کہ انہیں بار بار قید وبند میں ڈالا گیا، حتی کہ وہ قید ہی کی حالت میں واصل بہ حق ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو جہانگیر نے گوالیار کے قلعے میں کیوں قید کیا؟ کیا اس لیے نہیں کہ انہوں نے بادشاہ کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا؟

آج طاقت کس کے ہاتھ میں ہے؟ علماء کے ہاتھ میں یقیناً نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو علماء جدید زندگی کے غیر اسلامی معمولات کی علانیہ مذمت کرتے ہیں، جو لادینیت، مادہ پرستی اور الحاد کی راہ میں مزاحم ہیں اور جو احیائے اسلام کی جد وجہد کرنے والی تحریکوں کے حامی ہیں اور تقریباً ہر مسلمان ملک میں دار وگیر کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس تعذیب واذیت اور جبر وتشدد کا سبب اس کے سوا اور کیا ہے کہ انہوں نے بدعات ومنکرات کے مقابلے میں نہایت صبر وثبات اور جرأت کے ساتھ دین کا پرچم بلند کر رکھا ہے۔ ''ملا'' کی مذہبی آمریت کہاں ہے؟ اگر علماء مسلمانوں کو آزادی کے ثمرات سے محروم کرنے اور روشن خیالی اور ترقی کی راہ سے روکنے کی

طاقت رکھتے ہیں تو وہ اس سارے ظلم و جبر کا تختۂ مشق بننے پر کیوں مجبور ہیں؟ عامتہ المسلمین کے دل میں ان علماء کے لیے عزت واحترام کا جو جذبہ پایا جاتا ہے، وہ نہ تو محض ایک امر اتفاقی ہے اور نہ نری قدامت پسندی یا تقلید کا شاخسانہ۔ انہیں مسلمان معاشرے میں جو عظمت و وقعت ہے، وہ کسی مادی طاقت کی مرہونِ منت نہیں ہے، بلکہ انہیں یہ مقامِ عظیم مجرد ان کے کمال، علم و فضل، بصیرت، کردار، ورع و تقوی اور اسلام کی راہ میں جد و جہد، قربانیوں اور مصائب و شدائد کی بدولت ملا ہے۔ ان کی زندگی اور کام بجائے خود اس بات کا یقین پرور ثبوت ہے کہ انہوں نے شریعت کے صحیح معانی و مطالب معلوم کرنے میں ہر ممکن انسانی کوشش کی ہے اور ان کی پیش کردہ تعبیر پر کامل اعتقاد اور دیانت داری کے ساتھ اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

جو لوگ علماء پر تہمت طرازی کرتے ہیں اور ان کی تعبیرات کو ''ادعائی فاضل اصحاب'' کی رائے قرار دے کر مسترد کرتے ہیں، وہ گویا بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہل بیتؓ ،صحابہ کرامؓ، بخاریؒ، مسلمؒ، ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ، ابن حنبلؒ، ابن تیمیہؒ، شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہؒ ایسے سب ادعائی فاضل اصحاب نے اسلام کی غلط تعبیر کی تھی اور چودہ سو برس کے بعد آج مغرب کے تہذیبی استعمار کے سائے میں پلنے اور پروان چڑھنے والے ان تجدد پسندوں کو اسلام کی صحیح تعبیر پیش کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہ نئے اسلام کی تخلیق، بلکہ قرآن وسنت کے اسلام کے بجائے لندن اور نیو یارک کے مسیحی مشنریوں اور مستشرقین کے بتائے ہوئے جعلی دین کو رائج کرنے کے لیے کیسا عجیب استدلال اور پرفن حیلہ ہے؟ (اسلام: ایک نظریہ، ایک تحریک، ص: ۱۵۹-۱۶۲)

بقیہ: ''قابل بنو'' لڑکیو! آئی ٹی کی تعلیم حاصل کرو

کیا وہ پرویز اور جاوید غامدی کی طرح اسے اپنانا چاہتی ہے کہ اسلام کی تشریح اس طرح کرو کہ مغرب کی ساری باتیں اور رویے عین اسلامی لگیں؟ کیا وہ سیاست میں جمہوریت، معیشت میں بنکنگ اور نظام سرمایہ داری، معاشرت میں عورت و مرد کی مساوات، تعلیم میں انگلش میڈیم، مخلوط تعلیم، مغربی نصابات وامتحانات وغیرہ کو جائز اور اسلامی تقاضوں کے مطابق سمجھتے ہیں؟ ہم درخواست کریں گے کہ ان باتوں میں جماعت کی قیادت اپنا موقف واضح کرے تاکہ جماعت کے ارکان، کارکنان اور اس کے بہی خواہوں کو رہنمائی مل سکے۔

تعلیم و تربیت /استفسارات مدیر

''قابل بنو'' لڑکیو! آئی ٹی کی تعلیم حاصل کرو

جماعت اسلامی کی قیادت کی خدمت میں چند سوالات برائے غور وفکر

ہم سے ایک قاری نے سوال کیا ہے کہ ایک دینی سیاسی جماعت طلبہ وطالبات کے لیے فری آئی ٹی پروگرام منعقد کررہی ہے، اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

ہم عرض کریں گے کہ اصولاً تعلیم و تعلم ایک مثبت اور تعمیری سرگرمی ہے، اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ پاکستان میں بیروزگاری عام ہے اس لیے طلبہ کو روزگار سکھانے کے لیے کوئی مہارت سکھانے کا انتظام کیا جائے تو یہ بھی ایک قابل تعریف قدم ہے۔تاہم یہ کہنے کے بعد ہم عرض کریں گے کہ اگر قرآن وسنت کے احکام اور جماعت کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب ''تعلیمات'' کو سامنے رکھا جائے تو اس پروگرام کے بعض پہلو اسلامی لحاظ سے اصلاح طلب محسوس ہوتے ہیں، جماعت اسلامی کی قیادت کو ان پر غور کرنا چاہیے مثلاً:

۱۔ کیا پاکستان میں مروج ''جدید تعلیم'' کا نظام غیر اسلامی نہیں ہے؟ کیا یہ لارڈ میکالے کی تعلیمی اسکیم اور علی گڑھ کی مغرب زدہ تعلیم کا تسلسل نہیں ہے؟ کیا پاکستان میں کسی حکومت یا دینی جماعت نے اس نظام تعلیم کی اسلامی تشکیلِ نو کی مؤثر کوشش کی ہے؟

۲۔ کیا جدید تعلیمی اداروں میں مروج 'دینیات' یا 'اسلامیات' کا نصاب مؤثر ہے؟ اور قرآن کی مطلوب اسلامی شخصیت تیار کرتا ہے؟

۳۔ علوم اسلامیہ کے بعد یہ عمرانی علوم ہیں (جیسے اکنامکس، پولیٹیکل سائنس، تربیت اساتذہ، قانون، نفسیات، فلسفہ، سوشیالوجی اور زبانوں کی تدریس جیسے اردو، عربی، انگریزی وغیرہ) جو افراد کی ذہن سازی اور تعمیر شخصیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کیا ہمارے سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں جو عمرانی علوم پڑھائے جاتے ہیں وہ مغرب کی چربہ سازی پر مبنی نہیں ہیں؟ کیا کسی حکومت یا دینی جماعت نے ان عمرانی علوم کی اسلامی تشکیلِ نو کی کوشش کی ہے؟

۴۔ ہمارے جدید تعلیمی اداروں میں کیا اسلامی تربیت کا اہتمام موجود ہے؟

۵۔ کیا مخلوط تعلیم غیر اسلامی نہیں ہے؟ مخلوط تعلیم میں لڑکیوں اور لڑکوں کے اکٹھا پڑھنے کے علاوہ یہ بات بھی شامل ہے کہ طالبات کے اساتذہ مرد ہوں یا لڑکوں کی ٹیچر خاتون ہو یا طالبات کے تعلیمی اداروں میں عملہ مَردوں پر مشتمل ہو۔

۶۔ کیا انگلش میڈیم سکول اور غیر ملکی نصابات وامتحانات (جیسے اولیول، اے لیول وغیرہ) طلبہ کی ذہن سازی اسلام کی بجائے مغربی فکر وتہذیب کے مطابق نہیں کرتے؟ یہ مغرب کی الحادی فکر وتہذیب سے مرعوبیت نہیں سکھاتے؟ یہ اسلام اور مسلم دشمن مغرب کی پیروی نہیں سکھاتے؟ کیا انگلش میڈیم اور لازمی انگریزی کی وجہ سے طلبہ کی ایک بڑی تعداد میٹرک میں فیل نہیں ہوتی اور آگے تعلیم منقطع نہیں کردیتی اور اس طرح پاکستان میں شرحِ تعلیم میں کمی کا سبب نہیں بنتی؟ کیا پاکستان جیسے غریب ملک میں جہاں ڈالروں کی کمی معاشی بحران کا بڑا سبب ہے، وہاں کروڑوں پونڈ/ڈالر ہر سال اولیول اور اے لیول پر خرچ کرنا عقل مندی ہے؟

۷۔ کیا ہم نے پاکستان کے سارے بیروزگار مردوں کے روزگار کا مسئلہ حل کردیا ہے کہ اب ہم اپنی عورتوں کو ہنر سکھا کر میدان میں اُتارنا چاہتے ہیں؟ کیا عورتوں کا مردوں کے ساتھ تعلیمی اداروں اور دفتروں میں اختلاط جائز ہے؟

۸۔ کیا جماعت اسلامی عورتوں اور مردوں کی یکساں تعلیم اور مخلوط تعلیم کی قائل ہے؟ کیا وہ مغربی تہذیب کی پیروی میں عورتوں اور مردوں کی مساوات کی قائل ہے؟ (کیا جماعت کے لوگوں کے تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیم ، انگلش میڈیم، آکسفورڈ کی کتابیں، انگریزی یونیفارم، او اے لیول کی تعلیم عام مروج نہیں ہے؟)

کیا مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب ''تعلیمات'' میں ان درس گاہوں کو قتل گاہیں نہیں قرار دیا؟ کیا مولانا پارلیمنٹ میں عورتوں کی الگ اسمبلی کے قائل نہیں تھے؟

۹۔ جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودیؒ نے جماعت کی قوت سے سوشلزم کو شکست دی تھی۔ کیا جماعت کی موجودہ قیادت مغرب کی الحادی، لبرل، سیکولر اور سرمایہ دارانہ فکر وتہذیب کو شکست نہیں دینا چاہتی؟ (بقیہ صفحہ نمبر:۱۶)

تعلیم و تربیت

محمد ابراہیم [۱]

تعلیم کی نجکاری کے نقصانات

قیامِ پاکستان کے بعد ہونے والی پہلی تعلیمی کانفرنس میں قائد اعظمؒ نے اس بات کا عزم کیا تھا کہ ملک کے ہر بچے کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کی جائے گی۔ 1959ء میں نیشنل کمیشن برائے تعلیم نے 10 سال تک کے بچوں کے لیے لازمی اور یکساں تعلیم کا اصولی اعلان کیا اور 1970ء کی تعلیمی پالیسی نے جماعت دہم تک مفت تعلیم فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ 1973ء میں یہ وعدہ پاکستان کے آئین میں آرٹیکل 25-A کی شکل میں ڈھل کر ریاست کی بنیادی ذمہ داری قرار پایا، جو ہر شہری کے لیے معیاری اور مفت تعلیم کی فراہمی کی ضمانت دیتا ہے۔ ہر تعلیمی پالیسی میں بنیادی اور معیاری تعلیم کو ریاست کا فریضہ قرار دیا گیا اور اس اصول کو برقرار رکھتے ہوئے شہریوں کے تعلیمی حقوق کا تحفظ کرنے کا عزم کیا گیا۔ لیکن افسوس یہ عہد صرف پالیسیوں اور قوانین کی حد تک محدود رہا، عملی اقدامات میں ہمیشہ کمی رہی۔ حکومتوں نے آئین کے تقاضے پورے کرنے کی بجائے تعلیمی شعبے کو ترجیحات سے باہر رکھا اور تعلیمی اداروں کی بہتری کی بجائے ان کی نجکاری (پرائیویٹائزیشن) جیسی فرار کی راہیں اپنائیں۔ نجکاری کا یہ راستہ حکمرانوں کی رائے میں بعض فوری مسائل کا عارضی حل تو ہوسکتا ہے، مگر آنے والے دنوں میں یہ گھمبیر صورت حال کو جنم دے گا۔ اگر آج اس طرزِ عمل کو روکا نہ گیا، تو ہماری آئندہ نسلیں اس کوتاہی کا خمیازہ بھگتیں گی۔ ترقی یافتہ قومیں تعلیم کو بنیادی حق سمجھ کر اپنے شہریوں کے لیے سہولیات فراہم کرتی ہیں، جبکہ ہم تعلیم سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے ملک کو مزید اندھیروں میں دھکیل رہے ہیں۔ یہ رویہ ہمارے مستقبل کو تاریکی کی طرف دھکیلنے کا باعث بنے گا۔

نجکاری کی مختصر تاریخ

پاکستان میں 1988ء میں بے نظیر بھٹو نے اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کی قومیانے کی پالیسی کے برعکس نجکاری کا آغاز کیا لیکن جلد برطرفی کے باعث اس پر عملدرآمد مکمل نہ ہوسکا۔ 1991ء میں نواز شریف کے دورِ حکومت میں پاکستان میں بڑے پیمانے پر نجکاری کا

---

[۱] نافع، لاہور

آغاز ہوا، جس کے تحت فیصلہ کیا گیا کہ نجکاری سے حاصل ہونے والے 90 فی صد فنڈز ملک کے قرضوں کے بوجھ کو کم کرنے پر خرچ ہوں گے جبکہ 10 فیصد غربت کے خاتمے کے لیے استعمال کیے جائیں گے۔ اُس وقت رہنما مثال برطانیہ میں مارگریٹ تھیچر کے عہد کی نجکاری کی دی جاتی تھی۔ تھیچر نے قومی اداروں کی نجکاری سے ٹریڈ یونینز کو کمزور کرنے اور سرکاری شعبے کو ختم کرنے کی راہ اپنائی تھی لیکن اس پالیسی کے نتائج تباہ کن ثابت ہوئے اور دس سال میں برطانیہ میں بجلی کے بلوں میں 140 فی صد جبکہ پانی کے بلوں میں 74 فیصد اضافہ ہوا۔ ریلوے کے کرایوں میں 200 فی صد اضافہ ہوا، اور اس پورے عمل میں ایک لاکھ 70 ہزار لوگ بے روزگار ہو گئے جبکہ حکومتِ برطانیہ نے نجکاری سے روزگار میں اضافے کا وعدہ کیا تھا۔

مشرف دور میں جب شوکت عزیز وزیر اعظم تھے تو نجکاری میں مزید تیزی آئی اور بڑی تعداد میں صنعتیں چند نجی اداروں کے ہاتھ میں چلی گئیں جس سے قومی دولت چند لوگوں کے قبضے میں آ گئی۔ 2009ء میں پیپلز پارٹی نے نجکاری کا ایک نیا پروگرام پیش کیا جس میں قادر پور گیس فیلڈ، بجلی اور پانی کے کارخانے، ریلوے اور پوسٹ آفس کی نجکاری کا اعلان کیا گیا لیکن عوامی دباؤ کے سبب یہ منصوبہ ترک کرنا پڑا۔ 2013ء میں نواز شریف کے دورِ حکومت میں نجکاری کا عمل پھر تیز ہوا اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) کے ساتھ 6.6 ارب ڈالر قرضے کے عوض ملک کی اہم صنعتوں کی نجکاری کی شرط قبول کی گئی۔ اس کے تحت پی آئی اے سمیت کئی سرکاری اداروں کی نجکاری کا منصوبہ عمل میں لایا گیا۔ پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کی حکومت نے 2018ء میں اقتدار سنبھالتے ہی وزیر اعظم عمران خان نے نجکاری کی پالیسی کو جاری رکھنے کا اعلان کیا اور آئی ایم ایف سے حاصل کردہ قرض کی شرائط کے تحت مختلف سرکاری اداروں کی نجکاری کا ارادہ ظاہر کیا۔ پی ٹی آئی حکومت نے پاکستان اسٹیل ملز، پی آئی اے، اور چند دیگر اداروں کی نجکاری کی کوشش کی۔ اس دوران حکومت نے نجکاری کے لیے کم از کم 18 ادارے منتخب کیے اور ان کے لیے مخصوص منصوبے تیار کیے۔ تاہم یہ منصوبہ عملی طور پر کامیاب ثابت نہ ہو سکا کیونکہ سیاسی مخالفت، قانونی پیچیدگیوں اور نجی سرمایہ کاروں کی عدم دلچسپی جیسے عوامل رکاوٹ بنے۔ اس کے علاوہ ان اداروں کے ملازمین اور یونینز کی طرف سے بھی شدید مزاحمت کا سامنا رہا۔ حکومتیں سابقہ ہوں یا موجودہ، نجکاری کی روش پر قائم

ہیں۔1988ء سے نجکاری کا عمل پاکستان میں تین بنیادی مقاصد کے تحت جاری رہا یعنی معیشت کی ترقی، مالی خسارہ،قرضوں میں کمی اورغربت کا خاتمہ۔تاہم ان تینوں اہداف میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔نجکاری سے نہ تو مالی خسارہ اورقرضوں میں کمی آئی، نہ سرمایہ کاری میں اضافہ ہوااورنہ ہی روزگار کے مواقع بڑھے۔اس کے برعکس، نجکاری نے ملک میں معاشی ابتری، مزدوروں اورحکومت کے درمیان کشیدگی اورسیاسی تناؤ میں اضافہ کیا۔یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ پاکستان میں نجکاری سے مالی خسارے اورقرضوں میں کمی کا جومقصد بتایا گیا تھا،وہ بھی پورا نہیں ہوسکا۔1988ء سے 2024ءتک پاکستان میں نجکاری کی کوششیں بالآخرمعیشت کومضبوط کرنے کی بجائے ابتری اوربے روزگاری کا باعث بنیں،جس سےعوام میں عدم اطمینان بڑھا ہے۔

پنجاب میں تعلیم کی نجکاری

رواں سال حکومت پنجاب نے اسکولوں کی نجکاری کے حوالے سے فیصلہ کیا ہے کہ 48,517میں سے 13,219اسکولوں کو پہلے مرحلے میں نجی شعبے کے حوالے کیا جائے گا۔حکومت نے اب تک 5,863 سکولوں کی نجکاری مکمل کر لی ہے۔حکومتِ پنجاب تعلیمی اداروں کی نجکاری کومعیارِتعلیم میں بہتری، وسائل کی کمی اورسرکاری اخراجات میں کمی کے جواز کے تحت ضروری قرار دیتی ہے۔حکومت کا مؤقف ہے کہ نجی شعبے کے حوالے کرنے سے تعلیمی اداروں کی کارکردگی میں اضافہ ہوگا، انفراسٹرکچر میں بہتری آئے گی اوراساتذہ کوکارکردگی کے اعلیٰ معیار پر پورا اترنے کے لیے متحرک کیا جاسکے گا۔اس کے علاوہ حکومت یہ بھی کہتی ہے کہ نجکاری سے طلبہ کو بہترتعلیمی سہولیات میسر آئیں گی اوران کی صلاحیتوں کو بہتر انداز میں نکھارا جاسکے گا۔تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ تعلیمی اداروں کواس نہج پر پہنچانے میں موجودہ اور ماضی کی حکومتوں کا بنیادی کردار ہے جنھوں نے تعلیمی شعبے کو بنیادی ترجیحات میں شامل کرنے کی بجائے اسے نظرانداز کیا۔سالوں تک جاری رہنے والی کمزور پالیسی سازی، غیر مؤثر نگرانی، بجٹ کی غیر منصفانہ تقسیم،لوٹ مار اور کرپشن نے تعلیمی نظام کو اس قدر متاثر کیا کہ سرکاری ادارے مطلوبہ معیار پر پورا نہیں اتر سکے۔سرکاری اداروں میں سہولیات کی کمی، اساتذہ کی کمی، پیشہ ورانہ تربیت کا فقدان اور جدید تعلیمی ٹیکنالوجی کو اختیار نہ کرنے جیسے مسائل نے تعلیمی اداروں کی حالت کوخراب کیا۔اس کے نتیجے میں والدین اورطلبہ کا اعتمادسرکاری تعلیمی اداروں

سے اٹھتا گیا، معاشرے میں تعلیمی معیار کا فرق بڑھتا گیا اور شعبہ تعلیم سنگین بحران کا شکار رہا۔ ملک کی مجموعی تعلیمی صورت حال کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومتوں نے شعبہ تعلیم کو اس بدحالی تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

تعلیمی اعداد وشمار

پاکستان اکنامک سروے رپورٹ 24-2023 کے مطابق مندرجہ ذیل اعداوشمار پاکستان میں تعلیم کی زبوں حالی کا پتا دیتے ہیں:

پاکستان میں تعلیمی اداروں کی تعداد	2,59,500
تعداد کل طلبہ وطالبات	5,56,03,100
تعداد اساتذہ	18,12,940
تعداد پرائمری سکول اساتذہ	2,51,612
خالی آسامیاں	77,166
تعداد ایلیمنٹری سکول اساتذہ	1,28,198
خالی آسامیاں	25,076
ثانوی سکول اساتذہ	52,259
خالی آسامیاں	8,361
تعلیمی سربراہ کے بغیر سکولز	6,000

تعلیمی سہولیات

جن سکولوں میں بجلی نہیں	77,850
جہاں صاف پانی نہیں	57,090
جہاں ٹائلٹ نہیں	54,495

جہاں باؤنڈری وال نہیں	43,000

شرح خواندگی

پاکستان میں شرح خواندگی	%62.20
مرد	%73.00
خواتین	%52.00
بنگلہ دیش میں شرحِ تعلیم	%77.90
بھارت میں شرحِ تعلیم	%74.00

سکولوں سے باہر بچے/ ڈراپ آؤٹ

سکول سے باہر بچوں کی تعداد (ملین)	26.20 m
طلبہ	12.28 m
طالبات	13.83 m
پنجاب میں سکول سے باہر بچے	11.73 m
سندھ میں سکول سے باہر بچے	7.63 m
خیبر پختون خواہ میں سکول سے باہر بچے	3.63 m
بلوچستان میں سکول سے باہر بچے	3.13 m
ابتدائی تعلیم میں داخلہ کے وقت تعداد طلبہ	10.70 m
ابتدائی تعلیم میں داخلہ کے وقت تعداد طالبات	8.60 m
پرائمری کے بعد تعداد طلبہ	3.60 m
پرائمری کے بعد تعداد طالبات	2.80 m

شرح طلبہ واساتذہ	33 طلبہ وطالبات فی استاد
شرح طلبہ واساتذہ پرائمری میں	80 طلبہ وطالبات فی استاد

تعلیمی بجٹ

2009ء میں تعلیمی بجٹ کا وعدہ	7.0 % of GDP
بین الاقوامی معیار	4.0 % of GDP
2023ء کا تعلیمی بجٹ	1.7 % of GDP

جنوبی ایشیا میں پائیدار ترقی کا ہدف (SDG4)

بنگلہ دیش	% 57.8	بھارت	%60.9
نیپال	% 62.5	بھوٹال	% 65.6
مالدیپ	% 67.0	سری لنکا	% 73.3
پاکستان	% 56.2		

پاکستان میں ڈسٹرکٹ ایجوکیشن پرفارمنس انڈیکس

کل اضلاع	134	انفراسٹرکچر و رسائی	% 58.90
علم فہمی	% 47.52	ٹیکنالوجی	% 58.67
نظم و نسق	% 58.18	انتہائی کم تعلیمی کارکردگی	% 42.94
انتہائی کم تعلیمی کارکردگی	77 اضلاع میں		

یہ اعداد و شمار ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ پاکستان تعلیمی بحران کا شکار ہے اور اس بحران کی ذمہ دار ہماری ریاست ہے۔ پاکستانی حکومت ایک نظریاتی مملکت ہونے کے باوجود کیوں اغیار کی پالیسیوں کو تعلیم کے شعبے میں نافذ کرنے کی اجازت دے رہی ہے؟ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کے دباؤ میں آ کر تعلیمی اداروں کو پرائیویٹ این جی اوز کے حوالے

کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا یہ اقدام ہمارے تعلیمی نظام کے بنیادی ڈھانچے کو مزید کمزور کرنے کی جانب ایک اور قدم نہیں؟ نجکاری سے یہ توقع کرنا کہ اس سے تعلیم کے مسائل حل ہوں گے، ایک فریب ہے۔ حکومت جو تعلیمی اداروں کو نجی شعبے کے حوالے کرنے پر زور دے رہی ہے، دراصل اس بگاڑ کی ذمہ دار ہے۔ ایک طرف تو وہ نجکاری کے ذریعے تعلیمی اداروں کی بحالی کی بات کرتی ہے، مگر دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ ماضی کی پالیسیوں اور وسائل کی عدم دستیابی نے تعلیمی نظام کو کمزور کیا گیا۔ اگر حکومت ابتدا میں ہی تعلیم کو اولین ترجیح بنا کر سرکاری تعلیمی اداروں کی اصلاح کرتی اور ان کی کارکردگی کو بہتر بنانے کی ٹھوس کوشش کرتی تو شاید آج نجکاری کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

پاکستانی تعلیم یا مسائلستان

پاکستان کے تعلیمی نظام میں طبقاتی تقسیم کی ایک واضح تصویر سامنے آتی ہے جہاں سرکاری اداروں میں 60 فی صد طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں جبکہ 40 فیصد نجی اداروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہ تقسیم محض تعداد کی بات نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک گہری سماجی و اقتصادی حقیقت ہے، جہاں معاشی حیثیت کے مطابق بچوں کی تعلیم کے مواقع میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ سرکاری اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ عموماً محدود وسائل، ناقص انفراسٹرکچر اور غیر معیاری تعلیم کا سامنا کرتے ہیں جبکہ نجی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو جدید نصاب، بہتر سہولیات اور مستند اساتذہ کی مدد میسر آتی ہے۔ یہ عوامل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے تعلیم کی نجکاری کے اقدامات نہ صرف تعلیمی حق سے محرومی کا باعث بن رہے ہیں بلکہ یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ یہ صرف مراعات یافتہ طبقے تک محدود ہو کر رہ جائیں گے۔ تعلیمی اداروں کو نجی اداروں کے حوالے کرنا مسائل کا حل نہیں ہے اور نہ اس سے نظام تعلیم کی بنیادی خامیوں کا ازالہ ہوتا ہے۔

پاکستان میں پہلے سے جاری پبلک پرائیویٹ پارٹنرشپ (PPP) کے تجربات بدترین ناکامی سے دوچار ہو چکے ہیں، جو اس بات کا اشارہ ہے کہ حکومت کی جانب سے نجکاری کے اقدام کے نتیجے میں وہی ناکام تجربات دوبارہ دہرائے جائیں گے۔ پچھلے تجربات میں بدعنوانی، غیر معیاری تعلیم اور عدم شفافیت جیسے مسائل نے عوامی تعلیم کے نظام کو متاثر کیا ہے۔

مثال کے طور پر کئی نجی ادارے عوامی سکولوں کے بنیادی ڈھانچے کو بہتر بنانے میں ناکام رہے اور طلبہ کو معیاری تعلیم فراہم کرنے میں بھی کمزور ثابت ہوئے۔ یہ صورت حال اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ نجی شعبے کی شمولیت نے عوامی مفادات کو نقصان پہنچایا ہے اور تعلیم کے شعبے میں حقیقی بہتری لانے میں ناکام رہی ہے۔اگر حکومت ماضی کی غلطیوں سے سبق نہیں سیکھتی تو یہ نئے تجربات بھی معاشرتی انصاف اور تعلیمی معیار کی فراہمی میں ناکامی کا سبب بنیں گے۔اس کے نتیجے میں، کمزور طبقے کے بچوں کو تعلیم کے بنیادی حقوق سے محروم رکھا جائے گا اور یہ عمل عوام کا اعتماد مزید متزلزل کرنے کا باعث بنے گا۔ذیل میں ہم نجکاری کے کچھ نقصانات کا جائزہ لیں گے:

نجکاری کے نقصانات

۱۔ حکومت کے اس دعوے پر سوال اٹھتا ہے کہ تعلیم کو مالی بوجھ سمجھا جائے حالانکہ آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 25-A کے تحت 5 سے 16 سال کے بچوں کو مفت تعلیم فراہم کرنا ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اس لیے حکومت کی نجکاری کی پالیسی اس کی اپنی ذمہ داریوں سے فرار اور تعلیمی ترجیحات میں کمی کی عکاسی کرتی ہے۔جب سرکاری تعلیمی خدمات کو نجی شعبے کے سپرد کیا جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں کمزور طبقے کے بچوں کی تعلیمی ضروریات نظرانداز ہوتی ہیں جو ایک سنگین معاشرتی ناانصافی ہے جو قومی ترقی میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

۲۔ حکومت کا یہ دعویٰ کہ ابتدائی طور پر کم تعداد والے سرکاری سکولوں کو پرائیویٹ سیکٹر کے حوالے کرنے سے تعلیمی معیار بہتر ہوگا، بنیادی طور پر غلط ہے۔نجی ادارے اپنے مالی مفادات کو مقدم رکھتے ہیں جس سے کمزور طبقے کے بچوں کے لیے معیاری تعلیم تک رسائی میں مشکلات پیش آئیں گی۔مزید برآں، یہ نجی شعبے کو سرکاری سکولوں کی قیمتی اراضی اور وسائل کا استحصال کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے، جو قومی مفاد کے خلاف ہے۔اس طرح یہ نجکاری تعلیمی نظام کی ساخت کو کمزور کرتی ہے اور مستقبل میں تعلیمی ترقی اور انصاف کے اہداف کے حصول میں رکاوٹ بنتی ہے۔

۳۔ اگرچہ حکومت نے دعویٰ کیا ہے کہ نجی ادارے فیسیں نہیں بڑھائیں گے، مگر حقیقت یہ ہے کہ نجی ادارے فیس میں اضافے کے لیے آزاد ہوں گے۔اس سے غریب والدین کے لیے بچوں کو تعلیم دلانا مزید مشکل ہو جائے گا۔

۴۔ نجکاری کے عمل میں سرکاری اساتذہ کی نوکریوں کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ غیر فعال اساتذہ کو ٹرانسفر کر دیا جائے گا، مگر جب تمام اسکول نجی اداروں کے زیر انتظام ہوں گے تو سرکاری ملازمین کا مستقبل غیر یقینی ہو جائے گا۔ اساتذہ کی تنخواہیں اور دیگر مراعات میں کمی آئے گی۔ اس کے نتیجے میں اساتذہ کی کارکردگی متاثر ہوگی، جس سے طلبہ کی تعلیم پر برا اثر پڑے گا۔

۵۔ نجکاری کے عمل کے نتیجے میں جب نجی ادارے یا غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز) اسکولوں کی ملکیت حاصل کرتی ہیں تو یہ سرکاری تعلیمی اداروں کی خودمختاری اور بنیادی مقاصد کو متاثر کرتی ہیں۔ نجی مالکان اکثر اپنے مالی مفادات کی بنیاد پر فیصلے کرتے ہیں، جس کے باعث تعلیمی معیار میں کمی، رسائی میں مشکلات، اور معاشرتی انصاف کے اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ کئی سرکاری اسکول قیمتی اراضی اور بڑے کمپاؤنڈز پر قائم ہیں اور اس قیمتی جگہ کو نجی اداروں کے حوالے کرنا یہ سوال اٹھاتا ہے کہ آیا یہ واقعی تعلیمی بہتری کے لیے ہے یا قیمتی قومی املاک کو تجارتی مفادات کے لیے استعمال کرنے کا راستہ فراہم کرتا ہے؟

۶۔ اسکولوں میں نصاب اور تدریسی مواد کی نگرانی کو نجی شعبے اور این جی اوز کے سپرد کرنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ کئی این جی اوز غیر ملکی فنڈنگ پر انحصار کرتی ہیں، جس کے باعث ان کے نصاب میں غیر ملکی ایجنڈا شامل ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ اس سے بچوں کے ذہنوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اسلامی تعلیمات اور پاکستانی تاریخ کی جگہ بیرونی نظریات کو شامل کیا جاتا ہے جو ہمارے قومی تشخص کے لیے یقیناً نقصان دہ ہے۔

۷۔ سرکاری اسکولوں میں کمیونٹی کی شمولیت کا عمل مضبوط ہوتا ہے۔ والدین اور مقامی افراد کی شرکت سے تعلیمی نظام کی بہتری ممکن ہے۔ تاہم نجکاری کے نتیجے میں یہ شمولیت کمزور پڑتی ہے جس سے مقامی لوگوں کی ضروریات اور مسائل کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام

تعلیم کسی بھی قوم کی ترقی کی بنیاد ہوتی ہے بشرطیکہ وہ قوم کے نظریہ حیات کے مطابق ہو اور اس کی بہتری میں سرکاری اسکولوں کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مذکورہ صورت حال

ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ حکومت کو چاہیے کہ وہ تعلیم کی نجکاری کی بجائے اس کے معیار اور رسائی میں اضافہ کرے تاکہ ہر بچہ، چاہے وہ کسی بھی پس منظر سے ہو، معیاری تعلیم حاصل کر سکے۔ تعلیم کا شعبہ تمام شعبوں کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اسے سرسری نہ لیا جائے، بلکہ اسے ایک قومی ذمہ داری سمجھا جائے۔ ایک مضبوط اور مستحکم تعلیمی نظام ہی وہ بنیاد ہے جو ہماری آنے والی نسلوں کو روشن مستقبل کی ضمانت فراہم کر سکتا ہے۔

آیئے! ہم سب مل کر اس عزم کا اظہار کریں کہ ہم تعلیم کے آئینی حق کو فروغ دینے کے لیے اپنا کردار ادا کریں گے، حکومت اور عوام کو متوجہ کریں گے۔ اسے تجارتی فائدے کی بجائے ملکی ترقی کے لیے استعمال کریں گے۔ اس لیے ہمیں ایک ایسے تعلیمی نظام کی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو اسلامی تناظر میں طلبہ کی ذہنی، معاشرتی، اور ثقافتی ترقی کا باعث بنے اور ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کرے۔ یاد رکھیں کہ مسلم معاشرے میں ایک تعلیم یافتہ اور ہدایت یافتہ نسل ہی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے۔ آیئے! مل کر اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کے لیے کام کریں تاکہ پاکستان کا مستقبل روشن ہو، اور ہر بچے کو اس کا بنیادی تعلیمی حق مل سکے۔

بقیہ: اپنی اصلاح پہلے، دوسروں کی بعد میں

موجودہ دور میں بے عملی اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اپنی اصلاح سے غفلت کا مرض عام ہے۔ جن کی بظاہر اصلاح ہو بھی گئی ہے اور اعمال میں کچھ نہ کچھ بہتری آ گئی ہے تو وہ باطن کی وسیع دنیا کی اصلاح سے بے نیاز ہیں، جس کی وجہ سے ان کا کردار بن نہیں پاتا۔

عام طور پر معاشرے کا رونا رویا جاتا ہے اور حکومت کی خرابیوں پر نظر جاتی ہے لیکن معاشرے اور حکومت کی خرابی کا بنیادی سبب بھی یہی تو ہے کہ افراد نے انفرادی طور پر اپنی اصلاح کے کام سے بے نیازی برتی ہے، اور اپنے احتساب کی فکر کا عمل تقریباً ہم سے رخصت ہو گیا ہے۔ خود احتسابی کی سخت ضروری ہے۔ خود احتسابی سے ہی معاشرے میں رفتہ رفتہ اجتماعی اصلاح کی صورت پیدا ہوگی۔ قرآن کی یہ آیت ہمیں جھنجھوڑ کر اپنی اصلاح کی طرف راغب کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح کی صورت پیدا فرمائیں، آمین۔

تعلیم و تربیت/تزکیۂ نفس

حافظ محمد موسیٰ بھٹو

اپنی اصلاح پہلے، دوسروں کی بعد میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ﴾ [المائدۃ۵:۱۰۵]

''اے ایمان والو! اپنی فکر کرو اگر تم ہدایت پر ہو تو دوسروں کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔''

اس آیت میں دوسروں کی اصلاح کی فکر مندی سے زیادہ اپنی اصلاح کی فکر مندی پر زور دیا گیا ہے۔ اگر فرد خود راہِ حق پر استقامت سے چل رہا ہو، جب کہ پوری دنیا اس سے منحرف ہو، تو فرد کو لوگوں سے بے نیاز ہو کر اپنے آپ کو مستقل مزاجی سے راہ حق پر گامزن رہنا چاہیے، اس لیے کہ ایمان اور عمل صالح کی دولت اتنی عظیم نعمت ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ نیز فرد کا خود عذاب سے بچنا، یہ اسلام سے گہری وابستگی کا نتیجہ ہے۔ قرآن حکیم میں ہے آخرت میں گنہگار یہ تمنا کرے گا کہ مجھ پر جو عذاب ہو رہا ہے اس کے بدلے میں (سب کچھ) دیدے یعنی اپنے بیٹے، بیوی، بھائی اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا اور جتنے انسان زمین میں ہیں غرض سب کچھ دیدے اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑا لے (لیکن) ایسا ہرگز نہ ہوگا اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو کھال ادھیڑنے والی ہے۔ (المعارج آیت ۱۱-۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کی فکر مندی ایک حد تک تو صحیح ہے لیکن اپنی اصلاح کی قیمت پر دوسروں کی اصلاح کی فکر مندی منصوعی فکر مندی شمار ہوگی۔ فرد کو سب سے زیادہ اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے کہ میرے نفس کی حالت سنور جائے، میرے اخلاق اچھے ہو جائیں، میرے معاملات اور میری معاشرت اسلام سے ہم آہنگ ہو جائے۔ جب اپنے اخلاق و کردار میں پاکیزگی پیدا ہوگی تو کردار کی یہ چمک بجائے خود دوسروں کے لیے دعوت ہوگی کہ ان جیسا بننا چاہیے۔ (بقیہ صفحہ نمبر:۲۸)

تعلیم و تربیت

مدیر

مخلوط تعلیم غیر اسلامی ہے
اور اعلیٰ تعلیم ہر طالبہ کے لیے غیر ضروری ہے

افغانوں کا نفاذِ شریعت کا منہج اسلام کے مطابق ہے لیکن وہ مغربی فکر و تہذیب اور اس کی اقدار کے خلاف ہے جنہیں ہم اپنا چکے ہیں، اس لیے یہ منہج ہمیں 'انتہا پسندی' لگتا ہے

حال ہی میں امارتِ اسلامی افغانستان نے جانداروں کی تصویر پر پابندی لگا دی ہے چنانچہ وہاں ٹی وی اسٹیشن بھی آڈیو ہو گئے ہیں۔ یہ بات ہمیں بلکہ سارے عالم کے مسلمانوں کو بہت عجیب لگی ہے اور اہلِ مغرب تو اسے انتہا پسندی اور قدامت پرستی بلکہ دورِ ظلمت (Dark age) قرار دے کر اس کا مذاق اڑائیں گے ہی، ہمارے ہاں کے لبرل اور سیکولر دانشور اور صحافی بھی یہی کریں گے۔

اس سے پہلے افغان طالبان لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم اور مخلوط تعلیم پر پابندی لگا چکے ہیں۔ اس کی بھی نہ صرف ہمارے ہاں لبرل اور سیکولر طبقے مخالفت اور مذمت کرتے رہے بلکہ مغرب نے تو اسے عورتوں کے بنیادی حقوق کے خلاف قرار دیا اور اقوام متحدہ کی سطح پر اور اس کے علاوہ بھی ساری مغربی اقوام اس کے خلاف ایک مہم چلائے ہوئے ہیں۔ اسے پتھر کا دور قرار دے رہی ہیں اور افغان حکومت کو 'با قاعدہ قانونی ریاست' تسلیم کرنے سے انکاری ہیں بلکہ مغرب کا دباؤ اس معاملے میں اتنا شدید ہے کہ پاکستان اور دیگر مسلم ممالک میں سے کوئی بھی آج تک افغان حکومت کو قانونی تسلیم کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔

گویا تین مسائل ہیں جن پر گفتگو کی ضرورت ہے۔ ایک مخلوط تعلیم، دوسرے لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم اور تیسرے جاندار تصاویر کی نمائش پر پابندی۔ ہم ایک ایک کر کے ان پر مختصر گفتگو کریں گے۔

مخلوط تعلیم

کالجوں یونیورسٹیوں میں جوان لڑکیوں اور لڑکوں کے اکٹھا پڑھنے یا دفتروں میں اکٹھے

کام کرنے کو شاید ہی کوئی عالمِ دین مطابقِ شریعت قرار دے (غامدی صاحب کی طرح کا کوئی متجدد اور لبرل دانشور ممکن ہے اس کے لیے دلائل تراشنے کی کوشش کرے)۔اس کے برے نتائج بھی اظہر من الشّمس ہیں۔ پچھلے سالوں میں لاہور کی کئی نجی یونیوسٹیوں سے لڑکیوں (طالبات) کی لاشیں ہسپتالوں میں پہنچنے کی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ حال ہی میں لاہور میں جو تین واقعات ہوئے وہ اس وقت لاہور ہائیکورٹ میں زیرِ سماعت ہیں۔ وزیرِ تعلیم اور پنجاب اسمبلی کے سپیکر نے ان واقعات کو حقیقی قرار دیا۔ پنجاب یونیورسٹی ہاسٹل میں ایک طالبہ نے خودکشی کی، لاہور کالج خواتین یونیورسٹی میں مرد ملازمین کی طرف سے ہراسگی کے واقعات پر طالبات نے جلوس نکالا اور یونیورسٹی بند کرنا پڑی۔ پنجاب کالج کا بدنام زمانہ واقعہ ہوا جس میں مبینہ طور پر ایک طالبہ سے زیادتی ہوئی۔ طلبہ وطالبات سڑکوں پر آ گئے، پولیس نے لاٹھی چارج کیا، ہنگامے صوبہ بھر میں پھیل گئے، حکومت کو سارے صوبے کے سکول کالج ایک دن کے لیے بند کرنا پڑے۔ پھر طاقتور کالج مالک کی حمایت میں پنجاب کی وزیر اعلیٰ کو خود حرکت میں آنا پڑا اور ساری سرکاری مشینری لگا کر اس واقعہ پر مٹی ڈال دی گئی۔

یونیورسٹیاں اور کالج تو رہے ایک طرف، تھوڑا عرصہ پہلے جنوبی پنجاب کے ایک گاؤں کے پرائمری سکول میں پانچویں جماعت کی طالبہ سے سکول ہیڈ ماسٹر نے زیادتی کی۔ یہ نتیجہ تھا پنجاب حکومت کے اس فیصلے کا (جس پر اِس وقت بھی عمل ہو رہا ہے) کہ طالبات کے تعلیمی اداروں میں مرد اساتذہ لگائے جائیں گے اور لڑکوں کے سکول میں خواتین اساتذہ ہوں گی۔ پنجاب کے کالجوں میں بھی اس پر عمل ہو رہا ہے۔ مسلمان غور نہیں کرتے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس سال کی عمر میں سگے بھائیوں کے بستر الگ کرنے کا حکم ۱۴۵۰ سال پہلے دیا تھا حالانکہ اس وقت معاشرتی حالات آج کے مقابلے میں بہت بہتر تھے۔

کیا کوئی عالمِ دین کہہ سکتا ہے کہ مخلوط تعلیم جائز ہے؟ ہم کہتے ہیں کیا کوئی مسلمان صاحبِ دانش ان دگرگوں حالات میں کہہ سکتا ہے کہ مخلوط تعلیم ضروری ہے! تعلیمی اعداد وشمار سے واضح ہوتا ہے کہ خیبر پی کے اور بلوچستان میں طالبات کی شرح تعلیم بہت تھوڑی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہاں کے غیرت مند ماں باپ نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹیاں یہ مغرب زدہ

جدید تعلیم سکولوں کالجوں میں جا کر حاصل کریں جو انہیں اسلامی اقدار سے بغاوت سکھاتی ہیں اور مغربی اقدار کی پیروی کرنا سکھاتی ہیں۔ اسی وجہ سے وہاں شرحِ تعلیم کم ہے لیکن حکمران اور لبرل دانشور اپنا نظامِ حکومت نہیں بدلتے، اسے اسلامی اصول واقدار کے مطابق نہیں بناتے الٹا ان والدین کو قدامت پسند اور انتہا پسند قرار دیتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹیوں کو تعلیم نہیں دلاتے۔ ان حالات میں، افغانستان کو چھوڑیے، ہم حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مخلوط تعلیم کو ہر سطح پر ختم کرے، نہ صرف طلبہ وطالبات کی سطح پر بلکہ اساتذہ اور ملازمین کی سطح پر بھی۔ یعنی خواتین کے تعلیمی اداروں میں مرد اساتذہ اور ملازمین نہیں ہونے چاہئیں اور طلبہ کے تعلیمی اداروں میں خواتین اساتذہ نہیں ہونی چاہئیں۔

لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم

اس وقت ہمارا جو نظامِ تعلیم ہے (دوسرے مسلم ممالک کا بھی یہی حال ہے) وہ صرف مغرب زدہ ہی نہیں بلکہ مغرب کے نظامِ تعلیم کا چربہ ہے۔ مغرب میں جب صنعتی انقلاب آیا تو انہیں سستے مزدوروں کی تلاش تھی۔ پھر یورپ میں جنگ عظیم اوّل ودوم میں بہت سے مرد جنگوں میں مارے گئے تو گھر چلانے والا کوئی نہ رہا۔ ان حالات میں سرمایہ داروں نے عورتوں کو ملازمتوں کی ترغیب دی اور وہ مجبوری میں مارکیٹ اور کاروبار میں ملازمتیں کرنے لگیں۔ خواتین کے بارے میں مسیحی تعلیمات اسلام سے ملتی جلتی تھیں لیکن ہیومنزم، لبرل ازم اور سیکولرازم نے عورت اور مرد کو ہر سطح کے حقوق میں برابر قرار دے دیا۔ عورت کو بھی مرد جتنا آزاد اور خود مختار قرار دے دیا۔ اسے طلاق کا حق دیا، جنسی آزادی کا حق دیا وغیرہ۔ مرد وعورت کی اس مساوات اور جنسی آزادی نے وہاں خاندانی نظام کو تلپٹ کر دیا اور مغربی معاشرت کو تباہ کر دیا۔

مغرب میں عورت کو چونکہ ملازمت کا اتنا ہی حق ہے جتنا مردوں کو ہے اور عورتوں کو ملازمت کا چسکہ بھی لگا دیا گیا ہے بلکہ مغرب کے صنعتی انقلاب اور نظام سرمایہ داری نے اسے عورت کی مالی مجبوری بنا دیا ہے کیونکہ جب تک گھر کا ہر فرد وہاں پیسے نہ کمائے، گھر چلایا ہی نہیں جا سکتا لہٰذا ہر عورت وہاں تعلیم حاصل کرنے بلکہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہے۔

اس میں شک نہیں کہ پاکستان میں (بلکہ سارے عالم اسلام کے مسلمان) مغرب کے

سرمایہ دارانہ نظام کی پیروی کرتے ہیں اور مغرب کے نظام نے وہاں جوخرابیاں پیدا کی ہیں وہی خرابیاں مغرب چاہتا ہے کہ ہمارے ہاں بھی پیدا ہوں۔ ہمارے نوجوانوں کے اخلاق خراب ہوں اور مسلمان دین سے دور ہوں۔ مغرب میں جو لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں خود مغربی اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ ان میں سو میں سے ایک لڑکی بھی ایسی نہیں ملتی جس کی عصمت محفوظ ہو(اور وہ محفوظ رہ بھی کیسے سکتی ہے جب ہر غیر شادی شدہ مرد وعورت کو جنسی عمل کی قانوناً آزادی ہے) کیا ہم چاہتے ہیں کہ یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والی ہماری بچیوں کا بھی یہی حشر ہو؟ جب ہم نظامِ تعلیم میں مغرب کی پیروی کریں گے، معاشی، سیاسی، عدالتی نظام میں ان کی پیروی کریں گے تو ہماری بچیاں اس انجام سے کیسے بچ سکتی ہیں جس میں مغرب کی طالبات اپنے انجام کو پہنچ رہی ہیں اور وہاں جوان لڑکی کا Dating پر نہ جانا نفسیاتی بیماری سمجھا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہمارے جیسے معاشرے میں جہاں مَردوں کو روزگار نہیں مل رہا، وہاں عورتوں کو ملازمت اور ورک فورس کے لیے تیار کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ یہ مغرب کی تہذیب ہے کہ ہر عورت نوکری کرے، ہمارا دین ہمیں یہ نہیں سکھاتا۔ ہمارا خدا اور رسول تو فرماتا ہے کہ اے مسلمان عورت گھر میں ٹِک کر بیٹھ۔ شمع محفل بننا اور دفتروں کی رونق میں اضافہ کرنا مسلمان عورت کو رواہی نہیں، یہ اسے زیب ہی نہیں دیتا۔ اسلامی معاشرت میں، قرآن وسنت کے صریح احکام کی رو سے مرد وعورت کا کردار الگ الگ ہے۔ مرد گھر سے باہر روزی کمانے کا اور مشقت طلب کام کرتا ہے۔ عورت گھر میں رہ کر اولاد کی پرورش کرتی ہے، آئندہ آنے والی نسلوں تک دین اور اس کی اقدار منتقل کرتی ہے، مرد کو گھریلو سرگرمیوں سے فارغ رکھتی ہے اور ایک پُرسکون گھر کو جنت نظیر بناتی ہے۔ یہ کوئی چھوٹا اور غیر اہم ٹاسک ہے تو نہیں کہ اسے بیرونِ خانہ سرگرمیوں میں دھکیلا جائے جس طرح مغرب نے کیا ہے اور اس کے اہل علم اور اہل فکر اس پر پچھتاتے ہیں اور اسے ہی اپنے زوال کا ایک سبب سمجھتے ہیں۔

مغرب کا چلن یہ ہے کہ ہر عورت تعلیم حاصل کرے اور ملازمت کرے، کمائے۔ یہ وہاں کی تہذیب ہے، یہ ان کی معاشرت ہے، یہ وہاں کے سرمایہ دارانہ نظام کی مجبوری ہے۔ ہم

مسلمانوں کو کیا مجبوری ہے کہ ہم ہر لڑکی کو یونیورسٹی میں تعلیم دلائیں اور اس سے نوکری کرائیں اور نوکری اگر مردوں کے ساتھ ہو تو اس کے دین و اخلاق کو داؤ پر لگائیں؟ اس بارے میں وہ شعبے ایک استثنائی معاملہ ہیں جو عورتوں سے متعلق ہیں جیسے خواتین کی تعلیم وعلاج وغیرہ۔

افغانوں کی ایک مجبوری یہ بھی ہے کہ ان کی معاشی حالت دگرگوں ہے۔ پہلے روس اور پھر امریکہ و یورپ کی دراندازی کے خلاف چالیس سال کی جنگوں نے معیشت، سیاست، تعلیم ہر شعبے کو تباہ کر رکھا ہے۔ وہ حسبِ وسائل ان کی تشکیلِ نو کر رہے ہیں۔ فی الحال ان کے پاس لڑکیوں کو الگ تعلیم دینے کے لیے نہ تعلیمی ادارے ہیں اور نہ اساتذہ۔ ان حالات میں یہ ان کی مالی مجبوری بھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک مسلمان معاشرے میں عورتوں کی اعلیٰ تعلیم برائے ملازمت غیر ضروری ہے جب کہ مغرب کی پیروی میں ہمارے ہاں ہر لڑکا اور لڑکی اعلیٰ تعلیم اسی لیے حاصل کرتا ہے کہ اسے نوکری ملے۔ ہمارے نزدیک یہ ہدف غیر تعمیری اور غیر اسلامی ہے۔ ہر مسلمان کو تعلیم حاصل کرنی چاہیے، یہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے لیکن اس سے مقصود وہ تعلیم ہے جس سے اسے الٰہی ہدایت کا پتا چلے، اسلام کی رو سے اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کا پتا چلے، اسے معلوم ہو کہ زندگی میں کن باتوں پر عمل کرنا ہے اور کن کو ترک کرنا ہے۔ مسلمانوں میں لازمی تعلیم برائے ہدایت ہوتی ہے نہ کہ برائے ملازمت۔ ہاں! ایسی تعلیم بھی ضروری ہے اور مرد وعورت دونوں کے لیے ضروری ہے جو مسلم معاشرے کی ضرورت ہو۔ اسے اسلامی شرائط وآداب کے ساتھ ضرور حاصل کرنا چاہیے اور حکومت ومعاشرے کا فرض ہے کہ وہ اس کا انتظام کرے۔ اوّل الذکر کو 'الدین بالضرورۃ' یا فرض عین کہا جاتا ہے جبکہ ثانی الذکر کو فرض کفایہ۔

جاندار کی تصویر کی ممانعت

ہمارے سارے علماء پچھلی چودہ صدیوں سے اس پر متفق چلے آ رہے ہیں کہ جاندار کی تصویر حرام ہے۔ اس پر بہت سی صحیح احادیث، صریح عمل نبوی اور اجماع امت موجود ہے لہٰذا تصویر سازی، مجسمہ سازی وغیرہ مسلم روایت کا کبھی حصہ نہیں رہی۔ مغرب کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ رومن تہذیب سے متاثر ہونے کے بعد وہ عرصہ دراز سے حضرت مسیحؑ اور حضرت

مریمؑ کے مجسمے بناتے چلے آ رہے ہیں اور انہیں خدا اور ابنِ خدا قرار دیتے آ رہے ہیں۔ مغرب کی نشأۃ ثانیہ مختلف اسباب کی بناء پر (جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقعہ نہیں) عیسائیت کے ترک اور یونان وروم کے الحادی اور وحی مخالف افکار سے وابستگی کا نتیجہ تھی۔ یونانیوں میں تن سازی، خوبصورتی اور کھیلوں وغیرہ کو مذہبی تقدس حاصل تھا گویا وہاں Content پر Form کو ترجیح حاصل تھی۔ نشأۃ ثانیہ میں یونانی فکر کے احیاء کے ساتھ وہاں کی تصویر سازی اور مجسمہ سازی کو بھی عروج حاصل ہوا۔ تصویر کا یہی شوق بعد میں اس تہذیب کی شناخت بن گیا اور آج مغرب میں تصویر کے بغیر زندگی کا تصور ممکن ہی نہیں۔ مشینی طرز فکر وعمل (Mechanization) نے تصویر کے فن کو بلندیوں پر پہنچا دیا اور مابعد جدیدیت نے سینما، ٹی وی، انٹرنیٹ، موبائل وغیرہ کے ذریعے تیز تر ابلاغ کو نہ صرف رواج دیا بلکہ ہر گھر تک (بلکہ ہر بیڈروم تک) پہنچا دیا۔

اب مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں اور دانشوروں کی یہ کیفیت ہے کہ دو تین سو سال کی غلامی نے انہیں مغرب کا فکری غلام ہی نہیں بنایا بلکہ عملی غلام بھی بنا دیا ہے (اگرچہ بظاہر سیاسی اور عملی غلامی ختم ہوئے ایک صدی ہونے کو ہے) اور یہ ان کی بدقسمتی ہے کہ وہ اس حدیث نبوی کے مصداق ثابت ہو رہے ہیں کہ قیامت سے پہلے ایک وقت آئے گا کہ تم یہود ونصاریٰ کی اس طرح اندھی پیروی کرو گے کہ اگر وہ کسی بِل میں گھسے ہوں تو تم بھی اس بِل میں گھسنے کی کوشش کرو گے۔

مسلمانوں کی اکثریت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ اسلام کے علمبردار ہیں۔ وہ اللہ کو مانتے ہیں، رسول کا نام آئے تو ہاتھ چومتے اور ماتھے پر لگاتے ہیں لیکن وہ اپنی زندگی مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کے مطابق گزارتے ہیں اور اس کی اقدار اپنائے ہوئے ہیں۔ مغربی تہذیب ایک طرزِ زندگی ہے، مکمل نظامِ حیات ہے، وہ پورا دین ہے۔ جو دین اللہ (اسلام) کے سراسر خلاف ہے، اس سے متضاد ہے۔ یہ تہذیب خدا کی منکر ہے، رسالت کی منکر ہے، آخرت کا انکار کرتی ہے، وحی کی ہدایت کو تسلیم نہیں کرتی۔ انسان کو خدا کا درجہ دیتی ہے (ہیومنزم)۔ خدا کی مرضی پر عمل کرنے کی بجائے اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا اعلان کرتی ہے (لبرل ازم)۔ خدا کی بات جہاں چاہے مانے اور جہاں چاہے نہ مانے (سیکولرزم) کا

اصول اپناتی ہے، دنیا کی زندگی اور مال و دولت ہی کو سب کچھ سمجھتی اور آخرت کا انکار کرتی ہے (سرمایہ داری)۔ عقل و حواس کو منبعِ علم قرار دیتی اور وحی کی عظمت کا انکار کرتی ہے (ایمپریسزم) لیکن اس سب کے باوجود ہم عقل کے اندھے دن رات اس تہذیب کی پیروی کرتے ہیں اور اسے اسلام کے منافی نہیں سمجھتے۔ اس سے بڑھ کر بے عقلی اور بے حمیتی کیا ہو سکتی ہے؟

حاصلِ بحث

بات صرف اتنی ہے کہ ہم اسلام پر عمل کرنا چاہتے ہیں لیکن چونکہ فکری طور پر مغرب کے غلام ہیں لہٰذا ہم ایسا اسلام چاہتے ہیں جو مغربی فکر و تہذیب کے خلاف نہ ہو۔ ہم اپنے بچوں کو تعلیم دینا چاہتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ وہ تعلیم ہے کیا؟ کیا ہمارا جدید تعلیم کا نظام لارڈ میکالے والا نظام تعلیم نہیں ہے؟ کیا ہم اس کے ذریعے اپنے بچوں کو اسلام سے دُور نہیں کر رہے؟ کیا اکبر الہ آبادیؒ اور مولانا مودودیؒ جیسے اہل علم و فکر بیوقوف تھے جنھوں نے ان درس گاہوں کو قتل گاہیں قرار دیا تھا؟ لیکن ہماری ذہنی کیفیت یہ ہے کہ ہم مغرب سے آنے والی ہر بات کو معیار سمجھتے ہیں اور اپنی ہر بات کو قدامت پسندی کہہ کر ردّ کرنے کو تیار ہیں۔ ہم نے مغرب سے مرعوبیت کو حرزِ جاں بنا رکھا ہے، ہم نے مغربی نظام تعلیم کو اپنا رکھا ہے اور خوش ہیں کہ ہمارے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، خواہ اس تعلیم سے ان کے دین و اخلاق مجروح ہوتے ہوں۔

افغانوں کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ جس چیز کو اسلامی سمجھتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ مغرب کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اس کے برعکس ہم اسلام کی ہر اس بات کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں جو مغرب کے مطابق ہو۔ اور جو مغرب کے مطابق نہ ہو اسے ہم قدامت پرستی سمجھتے ہیں۔ ہمارے سارے علماء کہتے ہیں کہ جاندار کی تصویر حرام ہے، سارے علماء یہ کہتے ہیں کہ غیر محرموں کا اختلاط اسلام میں ناجائز ہے، سارے علماء یہ کہتے ہیں کہ تعلیم کا مقصد ہدایت ہے نہ کہ نوکری لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ بہت سے علماء خود اس پر عمل نہیں کرتے اور عوام بے چارے تو کالانعام ہیں۔ جب حکمران، دانشور، علماء سب تصویر کے معاملے میں مغرب کے خوشہ چین ہیں تو وہ کیوں نہ ہوں؟ لہٰذا مسئلہ یہ نہیں کہ ہم اسلام پر عمل کیوں نہیں کرتے، مسئلہ یہ ہے کہ ہم کفر و الحاد کے علمبردار مغرب کو ردّ کیوں نہیں کرتے؟

تفہیم مغرب جاوید اکبر انصاری

ٹرمپ کی کامیابی سے اسلامی انقلابی کیا سیکھ سکتے ہیں؟

[ہمیں فاضل مصنف کے خیالات سے اتفاق نہیں ہے۔ مدیر]

جن مسلم ممالک میں جمہوری عمل راسخ اور مقبولِ عام ہے وہاں اسلامی انقلابی جدوجہد جمہوری عمل کو نظر انداز نہیں کرسکتی۔ اگر جمہوری عمل کو نظر انداز کیا گیا تو تحفظ دین اور غلبہ دین کی تحریکیں لازماً ریاستی تحکم کی ماتحتی قبول کرنے پر مجبور ہوجائیں گی۔ لہٰذا رائج شدہ جمہوری عمل کا ادراک مرتب کرنا اسلامی انقلابیوں کے لیے ضروری ہے۔

ٹرمپ کا 2024ء میں دوبارہ انتخاب اس سال کے اہم ترین جمہوری واقعات میں شامل ہے۔ پہلے اس مضمون میں مَیں اس واقعہ کا ایک اسلامی انقلابی نقد مرتب کرنے کی کوشش کروں گا اور سرمایہ دارانہ تحکیمی نظام میں جمہوری عمل کی نوعیت کا تجزیہ پیش کیا جائے گا پھر ٹرمپ کی کامیابی کی وجوہ بیان کی جائیں گی اور آخر میں جمہوری عمل کے اس اظہار سے جو سبق اسلامی انقلابی حاصل کرسکتے ہیں ان پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

تحکمِ سرمایہ اور جمہوری عمل

سرمایہ (حرص وحسد کی تجسیم) کی اصل قوت اس کی ریاست (نظام تحکم) ہے۔ سرمایہ دارانہ تاریخ میں ہر جگہ پہلے سرمایہ دارانہ ریاست قائم ہوئی اور پھر سرمایہ دارانہ معاشرت وجود میں آئی۔ ہر جگہ سرمایہ دارانہ ریاست نے حرص وحسد کو نظاماتی غلبہ دلا کر معاشرہ کی سرمایہ کاری کی ہے۔ حرص اور حسد کی پرورش کا اصل مقام نفس انسانی ہے۔ معاشرہ کی سرمایہ کاری کے لیے ضروری ہے کہ اس میں پائے جانے والے افراد حریص اور حاسد ہوتے چلے جائیں۔

جمہوری عمل افراد کو حریص اور حاسد بنانے کا کامیاب ترین طریقہ ہے۔ کلیدی جمہوری اقدار آزادی اور مساوات ہیں۔ آزادی بندگی کا رد ہے اور مساوات ہدایت کا رد ہے۔ ایک آزاد اور مساوی فرد خود مختار رہتا ہے۔ جمہوری عمل autonomy یعنی خود مختاری کا اظہار ہے۔

افراد کے جسم (محنت) پر قبضہ کیے بغیر حرص وحسد (سرمایہ/ دولت) پر قبضہ نہیں کرسکتا۔ لہٰذا جمہوری عمل کا جاری رکھنا ہر سرمایہ دارانہ نظمِ قوت (ریاست) کا فرض ہے اور یہ فرض تمام سرمایہ دارانہ ریاستیں ادا کرتی رہتی ہیں۔ لبرل، اشتراکی، قوم پرست، سوشل ڈیموکریٹ، سب سرمایہ دارانہ ریاستیں جمہوری ہوتی ہیں۔ ان معنوں میں کہ ان کی اقتدار کی بنیاد عوامی تائید کے تسلسل پر ہی قائم ہوتی ہے۔ جمہوری ریاستوں میں عوام حکومت نہیں کرتے۔ وہ محض حکومت کرنے والوں کی پالیسیوں کی تائید کرتے ہیں لیکن جمہوری عمل ان کو یہ دھوکا دیتا رہتا ہے کہ حکومت کرنے والے ان کے مفادات کو فروغ دے رہے ہیں اور کم از کم اصولاً ان کے تابع ہیں۔

سرمایہ دارانہ ریاستی پالیسیاں اختلافی ہوتی ہیں۔ سوشل ڈیموکریٹ پالیسیاں اشتراکی پالیسیوں سے اور اشتراکی پالیسیاں لبرل پالیسیوں سے مختلف ہوتی ہیں، اس کے باوجود کہ ان سب کا مقصد معاشرتی سطح پر حرص اور حسد کا فروغ ہوتا ہے۔ حرص اور حسد کے سوشل ڈیموکریٹ طریقہ اور عملیت لبرل طریقہ فرد کے حرص اور حسد سے مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ عقلیت جاہلیت خالصہ ہے اور ہمیشہ سرمایہ (حرص وحسد) کی لامتناہی بڑھوتری کوئی واحد صحیح طریقہ متعین نہیں کرپاتی۔ لہٰذا عوام کے لیے دائرہ انتخاب ہمیشہ وسیع رہتا ہے۔ وہ کبھی اشتراکی پالیسیوں کی تائید کرتے ہیں کبھی لبرل پالیسیوں کی۔ کبھی ان پالیسیوں میں ایک قسم کے امتزاج کی، کبھی دوسرے قسم کے امتزاج کی۔

پھر سرمایہ دارانہ ریاستوں میں اقتدار ادارتی طور پر منقسم بھی ہوتا ہے۔ اس نظام کے غیر نمائندہ ادارے (عدلیہ، نوکرشاہی، کارپوریشن، میڈیا) عموماً عوامی نمائندہ ادارے (مقننہ) پر غالب رہتے ہیں لیکن تغلب کا یہ رجحان یکساں نہیں رہتا۔ کبھی مقننہ کا نظاماتی غلبہ بڑھ جاتا ہے، کبھی بیوروکریسی کا، کبھی فوج کا اور کبھی کارپوریشنوں کا۔ اس قسم کا ادارتی تفاوتی تسلط کا توازن بھی عوامی تائید کی فراہمی پر منحصر ہوتا ہے۔

اب مَیں اس نظریاتی تناظر میں ٹرمپ کی کامیابی کے عوامل کا تجزیہ مرتب کرنے کی کوشش کروں گا۔

ٹرمپ کی کامیابی کے بنیادی اسباب

ٹرمپ ایک نہایت غلیظ اور خبیث شخص ہے۔ عادی زانی اور پشتینی جواری ہے۔ دھوکہ دہی کے 32 الزامات اس پر ثابت کیے جا چکے ہیں۔ جھوٹ بولنا اور الزام تراشی اس کی فطرت ہے۔ کٹر نسل پرست ہے۔ گالیاں بکتا رہتا ہے اور اتنے ہی درجہ کا حاسد ہے۔ غضب اور نفرت اس کے جذبات محرکہ ہیں۔ خود غرضی اس کی فطرت ہے۔ فحش کلامی میں اپنی مثال آپ ہے۔

یہ تمام صفات اس کی عوامی مقبولیت کا سبب ہیں کیونکہ امریکی عوام کی غالب اکثریت انہی صفات کی حامل ہے۔ امریکی عوام میں زنا، لواطت، دغا بازی، فحش گوئی اور دھوکہ دہی ایک وبا کی طرح پھیل رہی ہیں۔ وحشت اور درندگی ان کی قومی اور معاشرتی ثقافت بن گئی ہے۔ ان کے آباو اجداد نے 8 ملین ریڈ انڈینوں کو قتل کیا اور دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ سے لے کر 2023ء تک امریکہ دنیا بھر میں کم از کم 17 ملین بے گناہ لوگوں کو قتل کر چکا ہے اور آج بھی ان کی حمایت کے زور پر قتل عام فسلطین، لبنان اور شام میں جاری ہے۔ امریکا کی آبادی کے 73 فیصد افراد شیزوفرینیا کے مریض ہیں اور نفرت اور غضب ان کی وجودی کیفیات ہیں۔ امام خمینیؒ نے بجا فرمایا ”ہر امریکی شیطان بزرگ ہے“۔

امریکا میں عیسائیت کو سرمایہ دارانہ وحشت میں مکمل طور پر سمو دیا گیا ہے۔ ریڈ انڈینوں کے قتل عام کی عیسائی توجیہ پادریوں نے مرتب کی اور آج امریکی عالمی دہشت گردی کا قومی جواز امریکا میں مرتب کیا جا رہا ہے۔ اس کی بنیاد عیسائی تعصّبات ہی فراہم کرتے ہیں۔ عیسائی ایونجلیکل سامراجیت اور صہیونیت کے فطری حلیف ہیں۔

ٹرمپ امریکی عوام کی غالب اکثریت کا جائز نمائندہ ہے۔ اس کی خباثت اور درندگی عوامی وحشت اور درندگی کا درست اظہار ہیں۔ وہ اگر زانی، جواری، دغا باز اور فریب کار ہے تو ایک عام امریکی بھی زانی، فحش نواز، مکار، جھوٹا اور دروغ گو ہے۔ ٹرمپ کو عیسائی امریکی حلقوں کی بھرپور تائید حاصل ہوئی ہے کیونکہ امریکی عیسائیت وحشی دہریت میں مکمل طور پر ضم ہو گئی ہے۔ امریکی جمہوریت دنیا کا کرپٹ ترین، غلیظ ترین اور سب سے گھناؤنا طرزِ حکمرانی ہے۔ اس عمل سے جو نتیجہ 2024ء کے انتخاب میں ظاہر ہوا ہے وہ امریکی معاشرتی غلاظت کی

صحیح عکاسی اور ترجمانی کرتا ہے۔

ٹرمپ کی مجوزہ پالیسیاں امریکی عوام کی امنگوں سے ہم آہنگ ہیں۔ وہ لاکھوں بیرونی آبادکاروں کو امریکا سے نکال دے گا اور سیاہ فام اور لاطینی امریکی باشندوں کی زندگی حرام کر دے گا۔ یہ امریکی اکثریت کی خواہشات کے عین مطابق ہے کیونکہ وہ نفرت اور غضب سے بھرے ہوتے ہیں اور انہیں اس بات کی تشویش ہے کہ آئندہ 15 سال میں (2040ء تک) سفید فام امریکی اقلیت میں تبدیل ہو جائیں گے۔ وہ خواہش رکھنے کے باوجود ان غیر سفید فام امریکیوں کا قتل عام تو نہیں کر سکتے جیسا کہ ان کے آباواجداد نے ریڈ انڈنیوں کا کیا تھا لیکن ان کا جینا دوبھر تو کر سکتے ہیں اور ٹرمپ یہی کر رہا ہے۔

ٹرمپ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ نوکرشاہی اور عدلیہ کے تحکمی اختیارات میں تخفیف کرے گا۔ یہ بھی عام امریکی کی خواہشات کے مطابق ہے جس کو اس بات کا احساس ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ ظلم کا شکار ہے اور حقوق اور آزادیاں لبرل دستوری نظام فراہم کرتا ہے وہ غضب اور نفرت سے مغلوب عوام کی نظاماتی بالادستی کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔ لہٰذا وہ اس نظم قانونی تحفظ کو توڑ کر اپنی نسلی بالادستی کو برقرار رکھنا اور فروغ دینا چاہتا ہے۔ یہ ایسا فاشسٹ طریقہ کار ہے جو نسلی برتری کو قائم رکھنے کے لیے اختیار کیا جاتا رہا ہے۔فسطائیت (فاشسٹ) بھی سرمایہ دارانہ تحکم کو رائج رکھنے ایک معتبر طریقہ ہے جو سرمایہ دارانہ آبادیوں کو سٹیزن اور ان کے علاقوں کو منقسم کر کے سرمایہ دارانہ نظم برقرار رکھتا ہے۔

ٹرمپ کی سامراجیت بھی امریکی عوام کی امنگوں سے ہم آہنگ ہے۔ ایک طرف تو وہ غیر ملکی برآمدات پر بے تحاشا محصول عائد کرنے کا حامی ہے اور ٹیکنالوجی کی بیرون ملک ترسیل پر تزویراتی پابندیاں عاید کرے گا تاکہ معاشی پالیسی ملکی خودغرضیت کو فروغ دے۔ دوسری جانب وہ ناقابل تنسیخ جنگوں میں امریکی مداخلت کم کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے اور کوشش کرے گا کہ امریکی دفاعی بوجھ کو امریکی حلیف ملکوں کی طرف منتقل کر دے۔ وہ امریکا کے نیوکلیئر پروگرام اور اس کی دنیا بھر میں 900 کے قریب قائم شدہ اڈوں میں تخفیف کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور امریکی عوام کی بڑی اکثریت امریکا کی عالمی سامراجی بالادستی قائم رکھنے کی حامی ہے۔

یہ تمام اقدامات لبرل سرمایہ دارانہ نظام کو بتدریج فاشسٹ سرمایہ دارانہ نظام میں ڈھالنے کے مترادف تجاویز ہیں اور اس نظاماتی ترتیب نو کی حمایت امریکی عوام کی اکثریت نے کر دی ہے (2024ء کے انتخابات میں)۔ اس تبدیلی کی حمایت سرمایہ دارانہ طبقہ بالخصوص ملٹی نیشنلز نے بھی کر دی ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ فاشزم یا نیو فاشزم سرمایہ دارانہ نظاماتِ تحکم کی ترتیبِ نو کا طریقہ ہے، سرمایہ دارانہ نظمِ تحکم سے مراجعت کا طریقہ نہیں۔ امریکی عوام اور امریکی خواص سرمایہ دارانہ طرزِ حیات اور نظمِ اقتدار کے تغلب کے حمایتی ہیں۔

اسلامی انقلابیوں کے لیے اسباق

کیا ٹرمپ کے ریاستی اقتدار کو ایک سرمایہ دارانہ اندرونی انقلاب کہا جا سکتا ہے؟ اندرونی انقلاب سے مراد ایسے انقلابات ہیں جو تحکمی اداراتی ترتیبِ نو کرنے کے باوجود سرمایہ دارانہ تعقل کو معاشرۃً معطل نہ کر دیں۔ اس کی سب سے کامیاب مثال وہ انقلابات ہیں جو 1989ء سے 1991ء تک مشرقی یورپ میں آتے رہے اور جن کے نتیجہ میں اشتراکی سرمایہ دارانہ نظامِ تحکم لبرل نظامِ تحکم میں تبدیل ہو گیا۔ ان انقلابات کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے نظاماتی تغلبی عمل میں رائج ریاستی تغلبی اداروں کا سہارا لے کر اسے مروج نہیں کیا۔

اس کے برعکس اکیسویں صدی جو اندرونی سرمایہ دارانہ انقلابات لاطینی امریکا میں (لبرل نظام کو سوشل ڈیموکریٹک نظام میں تبدیل کرنے کے لیے) اور بھارت میں (لبرل نظام کو نیو فاشسٹ نظام میں تبدیل کرنے کے لیے) لانے کی کوشش کی گئی وہ لبرل اقتداری اداروں کے توسط سے ہی برپا کیے گئے اور اب تک کے بھارت، وینزویلا، بولیویا وغیرہ کے تجربات سے یہ انقلابات کامیاب ہوتے نظر نہیں آتے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ٹرمپ لبرل اقتداری نظام کی تحلیل میں کامیاب ہو جائے گا یا لبرل ریاستی اور معاشرتی قوتیں اس کے اقدام کو ناکام بنا دیں گی۔ اس سوال کا کوئی حتمی جواب اصولاً مرتب نہیں کیا جا سکتا۔

ہم اسلامی انقلابی ہیں۔ ہم سرمایہ دارانہ نظام کی اصلاح نہیں اس کے انہدام کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس جدوجہد کی کامیابی اس پر منحصر ہے کہ فرد، معاشرہ اور ریاست تینوں سطحوں پر حرص اور حسد کو بحیثیت غالب قوتِ محرکہ کے رد کیا جائے۔ ہمیں اس بات کا ادراک ہے کہ

جب تک حرص اور حسد (سرمایہ) ریاستی غلبہ قائم ہے، انفرادی اور معاشرتی اقداری تبدل کا عمل لازماً محدود رہے گا۔لہٰذا ہمارا سیاسی عمل ان حدود کو پیچھے دھکیلتے رہنا ہے جو حرص اور ہوس کی عمل داری نے قائم کر رکھی ہیں۔

ہم جمہوری عمل کو معاشرتی اور ریاستی جمہوری نظام کی تسخیر کے لیے استعمال کریں گے۔ ایک طرف تو ہم معاشرتی سطح پر ایسی ادارتی صف بندی کریں گے جو مخلصین دین کو بااقتدار بنا دے۔ یہ ریاست درون ریاست بنانے کی حکمت عملی ہے۔ جو غیر ریاستی ادارے معاشرتی سطح پر قائم کریں گے۔ان میں مخلصینِ دین، علمائے کرام اور ائمہ مساجد کی قیادت میں حرص اور حسد کی تعقلی علمیت کو رد کریں گے۔ یہ غیر جمہوری ادارے ہوں گے جہاں فیصلہ سازی کا عمل عوام کی رائے کے تابع نہ ہو گا بلکہ تمام فیصلے شرع مطہرہ اور علوم اسلامی کی روشنی میں کیے جائیں گے۔ یوں مخلصین دین کی معاشرتی بالادستی قائم کی جائے گی اور معاشرہ کو بتدریج de-domesticated غیر جمہوری خطوط پر منظم کیا جائے گا۔

1990ء کی دہائی میں اسپین اور یونان میں اور اکیسویں صدی میں وینزویلا میں بھی معاشرتی سطح پر عوامی اقتداری ادارے قائم کیے گئے تھے۔لیکن یہ جمہوری ادارے اور ان کا مقصد عوام کے سرمایہ دارانہ حقوق کا فروغ تھا لہٰذا یہ ادارے سرمایہ دارانہ ریاستی نظام میں ضم ہوتے چلے گئے۔ جو ادارے اسلامی انقلابی قائم کریں گے وہ غیر جمہوری ادارے ہوں گے اور سرمایہ دارانہ ریاستی نظام میں ان اداروں کے انضمام کو دانستہ ردّ کیا جائے گا۔

دوسری جانب ہم انتخابات کے ذریعے ریاستی جمہوری عمل میں شرکت جاری رکھیں گے لیکن اس شرکت کا مقصد سرمایہ دارانہ ریاستی نظام میں شمولیت نہ ہو گا بلکہ شمولیت کے دو مقاصد ہوں گے۔ ایک جمہوری دستوری عمل کو اسلامی معاشرتی تحکیمی اداروں کے دائرہ اختیار کی توسیع اور حفاظت، دوسرے سامراج مخالفت۔ہم بین الاقوامی اداروں اور مارکیٹوں میں مسلم ملکوں کی شراکت کی مخالفت کریں گے اور WTO,IMF FATF, WIPO, وغیرہ کے لیے معاہدات کی منسوخی کی وکالت کریں گے اور ہماری عوامی مزاحمت امریکا سے تمام تعلقات سفارتی، تجارتی، دفاعی منقطع کرنے پر مرکوز ہو سکے۔

امریکا کرہ ارض پر اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔اس وقت وہ عرب دنیا میں اسلام کو کچلنے کی جنگ لڑ رہا ہے۔ٹرمپ نے اپنی انتخابی مہم میں اس علاقے میں امن قائم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ٹرمپ کی اسرائیل نوازی مشہور ہے۔ وہ کوشش کرے گا کہ صلح اس بنیاد پر ہو کہ اسرائیل مکمل طور پر کامیاب ہو جائے اور حماس اور حزب اللہ کے مجاہدین ہتھیار ڈال کر اپنی تحلیل پر راضی ہو جائیں۔اس سلسلہ میں وہ سعودی عرب،متحدہ عرب امارات،ترکی اور اردن کو اپنے آلہ کار کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کرے گا۔نومبر 2024ء میں عرب لیگ اور او آئی سی کے اجلاس نے جو اعلامیہ جاری کیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایران کے علاوہ افغانستان نے اس اجلاس میں شرکت نہیں کی،کوئی بھی مسلم ملک اسرائیل کے خلاف عملی اقدام کرنے کا حمایتی نہیں۔لہٰذا یہ غالب گمان ہے کہ سعودی عرب،عرب امارات،قطر اور ترکی وغیرہ امریکا کی ایما پر حزب اللہ اور حماس کو پسپائی قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حماس اور حزب اللہ یہ جنگ جیت رہے ہیں۔ایک سال کی دہشت گردی کے باوجود اسرائیل نہ حماس کو غزہ سے بے دخل کر سکا نہ حزب اللہ کو جنوبی لبنان سے۔لبنان اور شام پر اسرائیل مستقل جاری رہنے والے فضائی حملے اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ ان علاقوں میں مستحکم زمینی کامیابیاں حاصل نہیں کر سکا۔مقبوضہ مغربی ساحلی خطہ اور تل ابیب تک میں مجاہدینِ اسلام فدائی حملے کر رہے ہیں اور ان کی مزاحمت ایک طویل المدت گوریلا جنگ میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ساؤتھ افریقہ میں سفید فام نسل پرستوں کو شکست دینے میں تقریباً سو سال لگے تھے۔جہادِ فلسطین بھی کئی دہائیوں تک جاری رہے گا اور فتح ان شاء اللہ حماس اور حزب اللہ کے مجاہدین کو آخر کار حاصل ہو گی اور صہیونیت کی نحوست سے ان شاء اللہ ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔امریکا ذلیل ہو کر مشرق وسطیٰ سے پٹے ہوئے کتے کی طرح فرار ہونے پر مجبور ہو جائے گا جیسے 2021ء میں افغانستان سے فرار ہوا تھا۔

اس لیے ضروری ہے کہ ٹرمپ کی متوقع مصالحت کو ناکام بنایا جائے اور عرب ممالک کو اس مصالحت میں شرکت سے باز رکھ کر حماس اور حزب اللہ کے جہاد کو تسلیم کرنے اور اسرائیل سے تمام سفارتی اور تجارتی تعلقات منقطع کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

مولانا ڈاکٹر الیاس فیصل

تفہیم دین

غامدی اور پرویز کے افکار میں مماثلت

پرویزی اور غامدی مشترکہ افکار

غلام احمد پرویز 1903ء میں ضلع گورداسپور کی تحصیل بٹالہ میں پیدا ہوئے۔ تمنا عمادی، نیاز فتح پوری اور اسلم جیراج پوری کے ملحدانہ افکار سے متاثر ہوئے اور تحریر وتقریر میں ان افکار کا اظہار کرتے رہے جن کا خلاصہ انکارِ حدیث اور قران کریم کی خودساختہ تاویلات کی صورت میں سامنے آیا۔ ان کے ان افکارِ فاسدہ کے پیش نظر مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ نے ایک مفصل فتوی صادر کیا کہ غلام احمد پرویز شریعت محمدیہ کی رو سے کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس فتویٰ پر پاک و ہند اور عالم عرب کے مختلف مکاتب فکر کے ایک ہزار سے زائد علماء اور مفتیان کے دستخط ہیں۔ جاوید احمد غامدی دور حاضر میں اسی الحادی تحریک کے وکیل اور ترجمان ہیں۔ انہوں نے الحاد و انکارِ حدیث کو ایک نئے لبادے اور تعبیرات میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

منکر حدیث غلام احمد پرویز اور اس کی پرویزی جماعت کے اور غامدی صاحب کے بہت سے افکار باہم ملتے جلتے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند افکار کی ایک مختصر جھلک پیش کی جارہی ہے:

ا۔ انکارِ حجیتِ حدیث

نبی کریم ﷺ کی سنت واحادیث اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ اور دلیل ہیں جبکہ پرویزی اور غامدی گروہ اسے تاریخی ریکارڈ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ اس لیے قدم قدم پر انکارِ حدیث کرتے ہیں۔

پرویزی موقف

حدیثیں یعنی وہ اقوال واعمال اور احوال وغیرہ جو رسول کریم ﷺ کی طرف منسوب

کیے جاتے ہیں اور بسلسلہ روایات کتابوں میں مدون کیے گئے ہیں ان کے متعلق ابتدا ہی میں یہ بحث شروع ہوئی کہ ان کی حیثیت دینی نہیں بلکہ تاریخی ہے۔(مقام حدیث:1/50،طلوع اسلام لاہور)

غامدی موقف

حدیث کی تدوین جدید: یہی سارا علم جسے حدیث کہا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وسوانح کو جاننے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے۔اس سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا۔(مقامات: 175،ط:5)

۲۔انکارِ حجیت حدیث

صحیح بخاری حدیث نمبر: 1405،1484۔صحیح مسلم حدیث:2263،2271 سنن ابی داؤد حدیث: 1573 کی رو سے سونے اور چاندی کا نصاب مقرر کردیا گیا ہے۔5 اوقیہ چاندی(52.5 تولہ)اور 20 دینار(7.5 تولہ)سونے پر شرح زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے اور چودہ سو سال سے امت مسلمہ اسی نصاب پر کاربند ہے جبکہ پرویزی اور غامدی فکر کی رو سے ریاست اس میں تبدیلی کرسکتی ہے۔

پرویزی موقف

مملکت اس میں سے جس قدر ضرورت سمجھے ایتائے زکوٰۃ(دوسروں کی نشوونما) کے لیے لے لے۔اس مقصد کے لیے قرآن کریم نے نہ کوئی شرح مقرر کی ہے نہ نصاب(قرآنی فیصلے: 1/115،طلوع اسلام لاہور)۔

تصریحات بالا سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اس وقت یا تو حکومت کے ٹیکس ہیں اور یا خیرات۔خواہ اسے متعین طور پہ زکوٰۃ کا نام دے دیا جائے یا غیر متعین طور پہ صدقات اور خیرات۔(قرآنی فیصلے:116/ 1،طلوع اسلام لاہور)

غامدی موقف

''ریاست اگر چاہے تو حالات کی رعایت سے کسی چیز کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے سکتی

ہے، اور جن چیزوں سے زکوٰۃ وصول کرے ان کے لیے عام دستور کے مطابق کوئی نصاب بھی مقرر کرسکتی ہے۔" (میزان: 351)

۳۔ انکارِ شفاعت

اسلامی تصورشفاعت

شفاعت کا اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ قیامت کے دن نبی کریم ﷺ، دیگر انبیاء، فرشتے، شہداء اور صالحین شفاعت کریں گے۔ صحیح بخاری 4719، 614 میں اذان کے بعد مسنون دعا پڑھنے والے کے لیے نبی کریم ﷺ کی شفاعت کی بشارت ہے۔ اور 7440، 7410، 4476 میں جہنم کے کچھ لوگوں کے لیے نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا ذکر ہے اور حدیث 7439 میں انبیاء فرشتوں اور مومنین کی شفاعت کا ذکر ہے۔ جبکہ سنن ابی داؤد 4729، جامع ترمذی: 3435 اور سنن ابن ماجہ: 4310 میں شہید کی شفاعت کا ذکر ہے جبکہ پرویزی اور غامدی شفاعت کے منکر ہیں۔

پرویزی موقف

شفاعت کے عقیدے کی تائید میں قرآن کریم کی اس قسم کی آیات پیش کردی جاتی ہیں، جن میں آیا ہے ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ﴾ وہ کون ہے جو اس کے پاس اس کے اذن کے بغیر شفاعت کرے؟ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ خدا کی اجازت سے شفاعت کی جاسکتی ہے اور آنحضرت ﷺ اپنی امت کی شفاعت خداوند کی اجازت ہی سے کریں گے لیکن ان آیات سے اس قسم کا نتیجہ نکالنا غلط ہے، سب سے پہلے تو اس لیے کہ اس قسم کی شفاعت کا عقیدہ قانون مکافات کے یکسر خلاف ہے۔ (جہان فردا: ص: 205، 204 پرویز)

نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے متعلق غامدی موقف

شفاعت کیا ہے؟ بندہ جب مغفرت چاہتا ہے تو اس کے ساتھ ہو کر یہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی درخواست ہے۔ شفاعت کا اصل مفہوم یہی ہے لہذا بندے کی طرف سے توبہ استغفار کے بغیر اس کا کوئی تصور نہیں، شفاعت کرنے والا استغفار میں فرد ثانی اور مغفرت

چاہنے والے کی زبان ہوتا ہے۔

۴۔انکارِ معراج جسمانی

اہل السنت والجماعت کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ اسراء ومعراج جسمانی تھا جبکہ پرویزی اور غامدی گروہ اسے جسمانی نہیں مانتے۔

پرویزی موقف

سورہ بنی اسرائیل کی آیت اسریٰ میں کہا گیا کہ خدا اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا....اگر یہ واقعہ خواب کا نہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب ہجرت کا بیان ہے۔

غامدی موقف

بیت الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کی جس رویا کا ذکر قرآن میں ہوا ہے وہ اس کی مثال ہے۔اس طرح کے مشاہدات کھلی آنکھوں سے بھی ہوتے ہیں۔(میزان:127)

۵۔انکارِ جمعِ قرآن

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دور میں حفظ وتلاوت کے حوالے سے قرآن جمع اور مرتب تھا لیکن صحیح بخاری (4679،4986،7191،4984،4987اور3506) کی احادیث شریفہ کی رو سے کتابی صورت میں پہلا جمع قرآن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں اور پھر اس کی مزید کتابت ونشر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی جبکہ پرویزی اور غامدی مؤقف یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں قرآنِ کریم کتابی صورت میں جمع ہو چکا تھا۔

پرویزی مؤقف

مسئلہ جمع القرآن کے متعلق یہ تصور زبان زدِ عام ہے کہ قرآن کریم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمع نہیں کیا تھا بلکہ آپ کی وفات مبارکہ کے وقت قرآن کریم کی کچھ آیتیں ہڈیوں، پتوں، پتھروں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھی ہوئی کسی صحابی کے پاس پڑی ہوئی تھیں کچھ کسی کے

پاس، لیکن ہم بلاغ القرآن کے صفحات میں بارہا لکھ چکے ہیں کہ زمانہ رسالت میں قرآن حکیم کتابی شکل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھا۔(مسئلہ جمع وتدوین قران:2)

غامدی مؤقف

''اس قراءت کی پیروی کرو جو ایک کتاب کی صورت میں قرآن کی ترتیب کے بعد ہم کریں گے۔''(البیان:350/4)

۶۔ ثوابِ تلاوت کا انکار

قرآن کریم کے ہر حرف کے پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔جبکہ پرویزی اور غامدی گروہ کے نزدیک بلا سمجھے تلاوت پر اجر نہیں ملتا۔

پرویزی مؤقف

''بلا سمجھے قرآن کے الفاظ دہرانے سے ثواب ہوتا ہے، یکسر غیر قرآنی عقیدہ ہے۔یہ عقیدہ درحقیقت عہدِ سحر کی یادگار ہے۔''(قرآنی فیصلے:262،263)

غامدی مؤقف

''قرآن ترجمہ کے بغیر پڑھنے کا یقینا کوئی فائدہ نہیں۔''(ویڈیو کلپ)

۷۔یتیم پوتے کی وراثت

باپ کے فوت ہو جانے کی صورت میں دادا کی میراث پوتے کو نہیں ملے گی البتہ دادا وصیت کرسکتا ہے جبکہ پرویزی اور غامدی یتیم پوتے کو وارث مانتے ہیں۔

پرویزی مؤقف

صدیاں گزر گئیں کہ اس پوتے کو دادا کی جائیداد سے حصہ نہیں دیا جاتا جس کا باپ اپنے باپ کی زندگی میں مرگیا ہو۔(عائلی قوانین:30)

عائلی قوانین کی یہ شق جس میں یتیم پوتے کو دادا کی جائیدا کا قانونا وراث قرار دیا گیا ہے،

سوفیصد قرآن کریم کے مطابق ہے۔(عائلی قوانین:32)ادارہ ابلاغ القرآن

غامدی مؤقف

یتیم کی میراث: بیٹے کی وفات کے بعد اس کو وہ حصہ ملنا چاہیے جو اس کا باپ زندہ ہوتا تو اسے ملتا، ہمارے نزدیک یہی رائے صحیح ہے۔(مقامات:279،ط:5)

۸۔رجم کی سزا کا انکار

صحیح احادیث شریفہ کی رو سے شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم ہے جبکہ پرویزی اور غامدی رجم کی بجائے صرف 100 کوڑے کے قائل ہیں۔

پرویزی موقف

فاضل شریعت بینچ کی خدمت میں مودبانہ گزارش ہے کہ سنگساری کی غیر قرآنی سزا کو منسوخ قرار دیا جائے۔(سنگساری اور قرآن:11،ادارہ بلاغ القرآن)

جناب ایم آئی چوہدری ایڈووکیٹ لاہور نے سزاء رجم کے اسلامی سزا ہونے کے خلاف 18/اگست 1979ء کو لاہور کورٹ کے شریعت بینچ کے روبرو درخوست پیش کی۔(وفاقی شرعی عدالت:2ادارہ بلاغ القرآن)

غامدی موقف

زنا کی سزا کے بارے میں اپنا جو نقطۂ نظر ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس سے یہ حقیقت بالکل مبرہن ہو جاتی ہے کہ کنوارے زانیوں کی طرح شادی شدہ زانیوں کی سزا بھی قرآن مجید کی رو سے ضرب تازیانہ ہی ہے۔(برہان:92)

۹۔انکارِ حیاتِ عیسیٰؑ

اہل السنت والجماعت کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا جبکہ پرویزی اور غامدی گروہ وفاتِ مسیح علیہ السلام کے قائل ہیں۔

پرویزی موقف

فلماتوفیتنی کا صحیح قرآنی مفہوم یہ ہے کہ پھر جب تو نے مجھے فوت کر دیا۔

(حقیقت مسئلہ نزول مسیح: 27) (بلاغ القرآن: اپریل مئی: 1979ء)

غامدی موقف

سیدنا مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ میں قرآن مجید سے میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ ان کی روح قبض کی گئی اور اس کے فورا بعد ان کا جسد مبارک اٹھا لیا گیا تھا کہ یہود اس کی بے حرمتی نہ کریں۔ (اشراق: اپریل 1995ء، ص: 45)

۱۰۔ انکارِ نزولِ عیسیٰؑ

احادیث صحیحہ کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے آسمان سے نزول فرمائیں گے جبکہ پرویزی و غامدی اس نزول کے منکر ہیں۔

پرویزی موقف

''مسئلہ نزول مسیح صرف اور محض روایات کا پیدا کردہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کا قطعاً وجود تک نہیں۔'' (حقیقت نزول مسیح: 20) (بلاغ القرآن: اپریل مئی: 1979ء)

غامدی موقف

''نزولِ مسیح کی روایتوں کو اگرچہ محدثین نے بالعموم قبول کیا ہے لیکن قرآن مجید کی روشنی میں دیکھیے تو وہ بھی محل نظر ہیں.... موقع محل کے باوجود اس واقعے کی طرف کوئی ادنیٰ اشارہ بھی قرآن کے بین الدفتین کسی جگہ مذکور نہیں، علم و عقل اس خاموشی پر مطمئن نہیں ہو سکتے ہیں، اسے باور کرنا آسان نہیں ہے۔'' (میزان: 178)

یہ ایک مختصر سی جھلک ہے جس میں پرویز و غامدی کے چند مشترکہ افکار و نظریات کا تذکرہ کیا گیا۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ فکر پرویزی کا نیا ایڈیشن فکر غامدی ہے جس کو غامدی صاحب نے نئے لبادے میں پیش کیا ہے۔ تاکہ اسے لوگوں کے لیے قابل قبول بنایا جا سکے۔

(بقیہ صفحہ نمبر: ۵۶)

ڈاکٹر الطاف جاوید

تفہیم دین

مسلم فکر کی تاریخ کا مختصر جائزہ

مسلم نشأۃ ثانیہ کے حوالے سے

[ادارے کو مصنف کی بعض آراء خصوصاً مسلم فکر میں معیشت کے کردار کے حوالے سے اختلاف ہے لیکن اس کے باوجود مقالے کی افادیت کے پیش نظر ہم اسے البرہان میں دے رہے ہیں۔مدیر]

اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا مسئلہ اس عہد کا ایک ممتاز اور اہم مسئلہ ہے کیونکہ کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی ملّت اسلامیہ کی خفتہ قوتیں عصرِ جدید کے تقاضوں کے تھپیڑوں سے بتدریج بیدار ہو رہی ہیں اور ان میں اپنی تعمیرِ نو کے لیے ایک پر جوش عزم ابھر رہا ہے تاکہ وہ تاریخ میں اپنے کھوئے ہوئے پُرعظمت مقام کو حاصل کر سکے اور ایک بار پھر دنیا کی اقوام وملل کی امامت اور رہنمائی کا فرض انجام دے سکے۔

قرآن حکیم نے ابتدا ہی سے ملت کو اپنی ایمانی قوتوں کا بار بار جائزہ لیتے رہنے کی تلقین کر دی تھی تاکہ ایمان کی تازگی سے اس کی عملی قوتیں کمزور نہ ہونے پائیں۔سورۃ الصّف میں ہے کہ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو میں تمھیں ایسی تجارت بتاتا ہوں جو تمھیں عذاب الیم سے بچائے۔تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے رستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔''[1]

لفظ نشأۃ ثانیہ پر ایک نظر

میرے نزدیک قران حکیم کے اس تجدید ایمان کے تصور کے مفہوم کو نشأۃ ثانیہ کا لفظ صحیح طور پر ادا نہیں کرتا۔نشأۃ ثانیہ دراصل یورپ کی Renaissance کا ترجمہ ہے۔یورپ صنعتی انقلاب سے پہلے معاشی پسماندگی،تہذیبی زوال اور ذہنی افلاس کے جذام میں مبتلا تھا یہاں تک کہ سپین کے راستے عرب مسلمانوں کے علم وحکمت کی روشن کردہ شمع سے نورانی کرنیں

---

[1] الصّف ۶۱:۱۰،۱۱

یورپ کی اس تاریکی میں پہنچنا شروع ہوئیں جن کی وجہ سے پہلے اصلاحِ کلیسیا کی جدوجہد، پھر علمی تحریک اور آخر میں صنعتی انقلاب اور سائنسی تفکر و منہاج نے قدم جمائے مگر یورپ کی اس پسماندہ صورتحال کا مقابلہ اسلام اور ملت اسلامیہ کی حالت سے نہیں کیا جا سکتا۔ چودہ سو برس کی تاریخ میں اسلام اور ملت پر کبھی کوئی ایسا وقت نہیں آیا کہ وہ مغرب کی طرح جہالت اور معاشرتی پژمردگی کی وجہ سے حالت نزاع میں مبتلا ہو گئے ہوں۔ ملت روز اوّل سے بتدریج ارتقا و عروج کی طرف بڑھتی رہی ہے۔ راستہ کے نشیب و فراز یا شکست و تعمیر کے واقعات کو مکمل تباہی اور ناقابل مدافعت شکست سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا لہٰذا میرے نزدیک اسلام اور ملت کے لیے نشأۃ ثانیہ کا اصطلاح قطعاً غلط ہے اس کی جگہ نشأۃ نو یا نشأۃ جدیدہ کا لفظ زیادہ بہتر ہے مگر نشأۃ نو سے بھی موزوں ترین لفظ جو آج کل عام طور پر مروج ہے ثقافتی انقلاب ہے۔ یہ لفظ اپنے اندر ان تمام معنی کو رکھتا ہے جو تجدیدِ ایمان سے قران حکیم کا مقصود ہے۔

نشأۃ کے لیے پودے کی مثال

نشأۃ ثانیہ کی جگہ نشأۃ نو یا ثقافتی انقلاب کے الفاظ اختیار کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ قران حکیم نے اسلام کے فکری غلبہ اور ملت کے استحکام کے لیے پودے کی مثال دی ہے: سورہ الفتح میں ہے ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کا رسول ہے اور جو اس کے ساتھ ہیں کافروں کے مقابلے میں سخت جبکہ آپس میں رحم کرنے والے ہیں۔ تم انہیں رکوع کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے دیکھتے ہو وہ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات سے ظاہر ہے۔ یہ ان کی مثال توریت میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں بھی کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اسے مضبوط کیا ہو، وہ موٹی ہوئی پھر اپنی نالوں سے ترسیدھی کھڑی ہوگئی، کسانوں کو خوش کرتی ہے''[۱] یعنی کونپل کے پھوٹنے سے لے کر اس کے ایک مضبوط پودے یا ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرنے تک کے تمام ارتقائی مراحل میں جو مختلف ارضی وسماوی آفات اور امراض پودے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جس طرح ہر مرحلہ پر پودے کی حفاظت اور پرورش کے لیے ان کے ازالہ اور تدارک کی تدابیر کا

---

[۱] الفتح ۴۸:۲۹

عمل میں لانا ایک ضروری امر ہے اسی طرح اسلام اور ملت کو اس کی تکمیل اور دوسری اقوام پر اس کی فکری اور تہذیبی اصلاح کے لیے بھی ہر مرحلہ پر بار بار ایمان کی تازگی اور تجدید کے ذریعے ثقافتی تہذیبی انقلاب لاتے رہنے کی ضرورت ہے۔

ایمان باللہ وایمان بالرسالت کا مفہوم

اللہ اور رسول پر ایمان لانے کا مقصد محض زبان سے اقرار کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت عملی طور پر اجتماعی اور معاشرتی سطح پر حاصل کرنا مقصود ہے کیونکہ ان مضمرات اور تقاضوں کا اصول بھی اسلام اور ملت کے قول کو ایک مضبوط اور درخت کی شکل میں تبدیل کر سکتا ہے۔ قرآن کی منشا یہ ہے کہ جب کبھی اور جس مرحلہ پر بھی ملت کا عمل ان مضمرات اور تقاضوں کو اجتماعی اور ملی سطح پر حاصل کرنے میں سست روی اور غفلت شعاری کا شکار ہونے لگے ملت کے بیدار ذہن اور بالغ نظر افراد کا فرض ہے کہ اپنے ایمان کی بہتری میں پیدا ہونے والے جھول کا جائزہ لیں اور ایسی تدابیر اختیار کریں کہ یہ ڈھیلا پن جاتا رہے اور ملت مضبوط قدم کے ساتھ اپنے نصب العین کی طرف گامزن ہو جائے۔

اسلام اور ملت کا نصب العین

سورہ الصّف میں بھی اسی نصب العین کو بیان فرما دیا گیا ہے جس کے حصول کے لیے ملت کو بار بار تجدید ایمان اور اپنے نفس اور مال کے ساتھ جہاد کرنے کی ضرورت پیش آتی رہی ہے چنانچہ فرمایا ''(اللہ) وہی ہے کہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرک برا مانیں'' [۱] قرآنی انقلاب کی کونپل اپنی تکمیل کو اسی وقت پہنچے گی جب تمام ادیان اور افکار کے مختلف نظاموں پر قرآنی نظامِ فکر کی برتری ثابت ہو جائے گی جب معاشرتی اور نفسیاتی ارتقاء کا عمل منشا اور غایت کی طرف جانے والے راستوں کے سوا کسی دوسرے راستہ کو اختیار نہ کرنے پر مجبور ہوگا اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اور اس منزل پر پہنچنے کے لیے ملت اسلامیہ کے ہر فرد اور ہر ادارہ کو بار بار ایمان کی تجدید کرنا ہوگی اور اپنے نظریہ اور عمل کو باہمی تطابق اور ربط کی صحت مندی اور

---

[۱] الصّف ۹:۶۱

پائداری کا جائزہ لیتے رہنا ہوگا۔

نظریہ وعمل میں باہمی رشتہ

اسی سورہ جلیلہ کی ابتداء میں نظریہ کے باہمی ربط وتطابق کی پائداری اور سلامتی پر زور دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے ''اللہ کے نزدیک یہ سخت بیزاری کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو تم کرتے نہیں۔''[۱]

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ تجدید ایمان کا مفہوم محض لسانی اقرار یا قلبی تصدیق تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ایمان کے مضمرات اور مقاصد کو اجتماعی سطح پر حاصل کرنا مقصود ہے اور ان مقاصد کا حصول اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ ایمان اور عمل میں کامل تطابق موجود نہ ہو۔ تاریخ بتاتی ہے کہ انقلاب یا عمل کی رفتار اس وقت سست ہوتی ہے اور انقلابی تبدیلیوں کے قدم اس وقت رکتے ہیں جب انقلابی نظریہ اور عمل میں خلیج حائل ہو جاتی ہے۔ اسلام میں مجدد کے تصور کا مقصد بھی یہی ہے کہ ایک صدی کے بعد ایمان اور اس کے مضمرات اور مقاصد پر وقت کی گرد پڑنے سے مسلمانوں کی نظریاتی اور عملی قوتوں میں جو انتشار اور زوال کے اثرات نمودار ہوں اور اسلامی انقلاب کے قدم سست ہو جائیں تو مجدد از سر نو تجدیدِ ایمان کے ذریعہ ان میں نظریاتی صلات پیدا کر دے اور ان کی قوت عمل کو مہمیز لگائے تا کہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کے مقاصد وغایات کو حاصل کرنے کے لیے حرارت ایمانی پیدا ہو جائے۔

اسلامی تاریخ میں نشأۃ نو کے عمل پر ایک نظر

اسلامی تاریخ میں نشاۃ نو یا ثقافتی انقلاب کے عمل کی رفتار کا اس کے راستہ کی نظری اور عملی رکاوٹوں اور ان رکاوٹوں یا دشواریوں کو دور کرنے کی تدابیر کا جائزہ لینا اس لیے ضروری ہے کہ سابقہ نظری اور عملی غلطیوں اور کوتاہیوں کا پھر اعادہ نہ ہونے پائے کیونکہ نفس ہائے رمیدہ سے تازگی حاصل کرنے اور اپنی تاریخ کو ضبط کیے بغیر حال اور اس کے تقاضوں کو اپنانے کی کوشش کرنے سے وہ تاریخی تسلسل ٹوٹ جاتا ہے جو کسی نے ملت یا قوم کے وجود کے قیام کی بقا اور اس کے نشوو ارتقا کے لیے لابدی ہوتا ہے۔

---

[۱] الصّف ۶۱: ۳

دراصل تاریخ کے تمام انقلابوں کا یہ بنیادی اور مشترک قانون رہا ہے کہ وہ رجعت پسند سیاسی اور معاشرتی قوتیں جنہیں انقلاب شکست دے کر زندگی کو نکھارتا ہے، ترقی دیتا اور نو منظم کرتا ہے، جو مختلف شکلوں کا نقاب پہن کر اور مختلف جماعتوں میں ملبوس ہو کر انقلابی صفوں میں آگھستی ہیں اور انقلاب کے تعمیری اور ترقی پذیر عمل کے تیز دھاروں کو روکنے کی کوشش کرتی ہیں، انقلابی ذہنوں میں فکری انتشار پیدا کرتیں اور حرکت کو جمود میں بدلنے کی سعی کرتی ہیں۔ ان شکست خوردہ رجعت پسند قوتوں کا انقلابی فکر و عمل پر یہ حملہ کبھی تو باہر سے ہوتا ہے جس سے انقلابی سوسائٹی باقاعدہ جنگ کی تخریب کاری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ کبھی معاشرہ کے داخلی حوالے سے، جس سے انقلاب کو داخلی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کبھی دوسری اقوام کے غیر انقلابی افکار کی درآمد سے انقلابی ذہن فکری انتشار اور نظری بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے۔ انقلاباتِ عالم کے اس عالمگیر قانون کے مطابق اسلام بھی اپنی انقلابی جدوجہد معاشرتی تعمیر میں ان انقلاب دشمن قوتوں کا شکار ہوتا رہا ہے۔

اسلام جو دراصل ایک انقلابی تحریک تھی جس کا مقصد انسانی معاشرہ سے معاشی استحصال کی وجہ سے پیدا ہونے والے بلند و پست طبقات اور ان کی باہمی آویزش کو، ذات پات اور رنگ و نسل کی بنا پر باہمی تفرقہ انگیزی اور منافرت کو حاکم طبقوں کے استبداد اور لسانی و تہذیبی اختلافات کو ختم کر کے انسانوں کے درمیان فکری، معاشرتی، مذہبی اور ثقافتی یکسانیت اور وحدت پیدا کرنا تھا جس نے اپنی بعثت کے بعد ابھی ربع صدی بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ نہ صرف اپنے عہد کے دو خونخوار سامراجوں یعنی ایران اور روم کی غلام ساز سلطنتوں کو، جن کا شرق وغرب کے بیشتر ممالک پر تسلط تھا، شکست فاش دی بلکہ مکہ اور عرب کے دوسرے حصوں میں مالدار طبقوں کی بالادستی اور غلاموں پر ان کے ظلم و ستم کو بھی ختم کر دیا۔ انہی کامیابیوں کی وجہ سے اسلام ان شکست خوردہ داخلی اور خارجی قوتوں کی سازش کا شکار ہوا اور تیس برس کے اندر اندر اسلامی تحریک کا اپنے تاریخی نصب العین اور تعلیمی روح سے بہت حد تک رابطہ ختم ہو گیا۔ ملت کے اندر مضبوط سیاسی جماعتیں ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں مبتلا ہو گئیں اور مسلمانوں کی جمعیت، جسے اپنے لیے ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ اور دشمن کے لیے ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ بن جانے کا حکم ملا تھا، پہلے داخلی طور پر پارہ پارہ ہوئی اور بعد میں سیاسی اور فکری لحاظ

سے ہذال وادبار کے بھنور میں پھنس گئی۔اس طرح اسلام اس نصب العینی معاشرہ کوخلافت راشدہ کے بعدقائم رکھنے میں ناکام رہاجواستحصال، بھوک اور جنگ وجدال سے پاک ہو،جس میں فردکواپنی تکمیلِ ذات،تہذیبِ نفس اور بہیمیت سے ملکیت کی طرف ارتقا کرنے کے وافر مواقع اور ذرائع مہیا ہوں تاکہ وہ اپنی نوعی غایت کو حاصل کر کے حیاتِ دنیا و آخرت میں سرفراز ہو سکے۔(جاری ہے)[ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کی آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس کے جریدے''اسلامی تعلیم'' سے ماخوذ]

بقیہ: غامدی اور پرویز کے افکار میں مماثلت

خلاصۂ کلام

گزشتہ تحریر سے جونتائج واضح ہوکرسامنے آئے وہ یہ ہیں:

۱۔ قرآن کریم کی مختلف قراءات متواترہ ہیں، روایت حفص ان میں سے ایک ہے، غامدی صاحب روایت حفص کے علاوہ بقیہ قراءات کوقرآن تسلیم نہیں کرتے۔

۲۔ غامدی صاحب غارحراء، جمعِ قرآن، حج کی اقسام، داڑھی رکھنے، نزولِ عیسیٰ ومہدی کی آمدوغیرہ موضوعات سے متعلق احادیث شریفہ کے منکر ہیں۔

۳۔ وہ اجماع کے منکراورتزکیہ وتصوف کو بلاتفریق عالم گیرضلالت قرار دیتے ہیں۔

۴۔ وہ اسلام کے عالمگیراورآفاقی پہلوکی بابت شکوک وشبہات پھیلاتے ہیں۔

۵۔ غامدی صاحب کے افکارونظریات اوران کے عملی مشن کودیکھ کرواضح ہوجاتا ہے کہ وہ مغرب سے متعلق قادیانی اہداف ومقاصد کی تکمیل کی راہ ہموار کررہے ہیں۔

۶۔ غلام احمد پرویز اور جاوید احمد غامدی کامشترکہ پلیٹ فارم انکارحدیث ہے، البتہ دونوں کے اسلوب بیان اور الفاظ کی تعبیر کاباہمی فرق ضرور ہے۔

۷۔ غامدی صاحب بنیادی طور پر منکرحدیث ہیں۔

دعاہے کہ اللہ تعالیٰ ہرقسم کے الحادی فتنوں سے امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔آمین

پاکستانیات مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

اجتماعی مایوسی سے کیسے بچا جائے؟

اس سوال کے جواب میں کہ ملک وملت پہ چھائی مایوسی کے سائے کیسے دور ہوں؟ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

پہلا قدم: سب سے پہلے اس بات کا احساس پیدا ہونا انتہائی ضروری ہے کہ ہمیں ان حالات سے نکلنے کی ضرورت ہے بصورت دیگر کچھ بھی نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ [الرعد ۱۳: ۱۱] ”یقین جانو کہ اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی نہ لے آئے۔“

دوسرا قدم: تعلیم کا مقصد فنون اور مہارتوں کا حصول سمجھ لیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو جتنا تعلیم یافتہ ہوتا ہے وہ اتنا بڑا بکاؤ مال ہوتا ہے۔ جو اس کو اچھے پیسے دے وہ اس کو اپنے ہاں کام پر رکھ لے۔ اس سلسلے میں ملک وملت کے فائدے کو بالکل سامنے نہیں رکھا جاتا۔ اسی وجہ سے ٹیلنٹ کا بڑا حصہ ملک سے باہر جانے کو ترجیح دیتا ہے جب کہ گزارا تو یہاں رہ کر بھی ہوسکتا ہے اور یہ دنیا مومن کے لیے گزارہ کرنے کی ہی جگہ ہے۔

تیسرا قدم: ہر شخص خود اپنی خبر لے اور دیکھے کہ کیا وہ اپنی ذمہ داریاں پوری طرح ادا کر رہا ہے؟ مثلاً اگر کوئی صنعت کار ہے تو وہ دیکھے کہ اس کی صنعت سے ملک وملت کو کیا فائدہ اور کیا نقصان ہو رہا ہے؟ اسی طرح ملازم دیکھے کہ کیا وہ اپنے اگریمنٹ کے مطابق پورے وقت خوش اسلوبی اور خوش اخلاقی سے کام کر رہا ہے یا نہیں اور نظر آنے والی کمزوریوں کو ٹھیک کرے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ﴾ [المائدہ ۵: ۱۰۵] ”اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو اگر تم صحیح راستے پر ہو گے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“ اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، اس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے ہو۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۵۹)

پاکستانیات پروفیسر ڈاکٹر محمد ارشد

پاکستانی قوم کا اختلالِ مزاج

پاکستانی قوم کے مزاج میں بحیثیت مجموعی جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں انہیں اختلال مزاج کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ اختلال مزاج کیا ہے؟ یہ دراصل مزاج کی خرابی کا عارضہ ہے۔ انسانی مزاج کی ایسی کیفیت کا نام ہے کہ جس میں اعتدال وتوازن باقی نہ رہے بلکہ اس میں ابتری، بدنظمی اور فتور پیدا ہوجائے۔ اختلالِ مزاج کو ایک ایسی سادہ سی مثال سے واضح کیا جاسکتا ہے، جسے وطن عزیز میں کم وبیش ہر سال دہرایا جاتا ہے۔ پاکستانی کرکٹ ٹیم بیرونِ ملک کسی ٹورنامنٹ میں پے درپے ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوتی ہے تو قوم پر مایوسی اور افسردگی کے سیاہ بادل چھا جاتے ہیں لیکن اسی دوران کسی میچ میں ٹیم میں شامل کسی کھلاڑی نے ایک چوکا چھکا لگا دیا تو اس پر حکمرانوں اور پراپرٹی ڈیلروں کی طرف سے نوٹوں اور پلاٹوں کی بارش ہونے لگتی ہے اور اگر میچ ہار کر پاکستان کو لوٹیں تو ائیرپورٹ پر ان کی تذلیل کا پورا سامان کیا جاتا ہے۔ منچلے ائیرپورٹ پر جوتوں کے ہار لے کر ان کے استقبال کو موجود، ان کا استقبال گالیوں اور توہین آمیز نعروں سے کیا جاتا ہے۔

کچھ ایسا ہی نظارہ ارشد ندیم کی کھیل کے میدان سے طلائی تمغہ پاکر کامیاب وکامران پاکستان لوٹنے پر دیکھنے کو ملا ہے۔ ارشد ندیم نے ایک اہم کامیابی حاصل کی ہے، خوشی کی بات ہے اور جائز حدود میں اس کی حوصلہ افزائی بھی ہونی چاہیے۔ لیکن یہ طرفہ تماشا ہے کہ صدر مملکت، وزیر اعظم، وزرائے اعلیٰ اور گورنر صاحبان سب کو ایک مشغلہ ہاتھ آگیا اور سب کے سب بس اسی کام میں جت گئے۔ یوں لگتا ہے کہ حکمران طبقہ ملک وملت کو درپیش مسائل کو سلجھانے، توانائی کے بحران کا مؤثر وکامیاب حل پالینے اور ملک کو بیرونی قرضہ جات کے چنگل سے نجات پانے اور عوام کو مہنگائی وبے روزگاری کی مصیبت سے رہائی دلانے کے بعد قوم کے سامنے سرخرو ہوچکے ہیں اور اب ان کے کرنے کا کوئی ملکی وقومی کام باقی نہیں بچا۔ چنانچہ اس صورتِ حال میں ارشد ندیم کی عظیم الشان فتح کی خبر ملی تو خوشی سے نہال بلکہ بے خود ہوگئے، اور اسی بے خودی کے عالم میں سب کے سب اس کی پزیرائی میں جُت گئے۔ اب کیا

ہے کہ ملکی وقومی مسائل سے سرخرو ہو جانے والے حکمران فیاضی اور سخاوت کے عالمی ریکارڈ رقم کر رہے ہیں، سرتا سر بیرونی قرضوں میں ڈوبے ہوئے ملک کے قومی خزانے سے نقد انعاموں کی ایسی زوردار موسلا دھار بارش ہو رہی ہے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہی۔ قوم کا خون پینے والے حکمران داد و دہش کی ایسی مثالیں رقم کر رہے ہیں کہ اس باب میں امریکا، چین اور دیگر ممالک اولمپک میں طلائی تمغے پانے والے اپنے اپنے ملک کے کھلاڑیوں کے سامنے شرمندہ ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ ارشد ندیم نے اولمپک میں ایک مقابلہ کیا جیتا ہے گویا بھارت کے تسلط سے کشمیر آزاد کرالیا ہے، پاکستان کو آئی پی پیز کے چنگل سے رہا کرالیا ہے، اسے بیرونی قرضوں کی دلدل سے باہر نکال لیا ہے، یا پھر کسی ناگہانی آفت سے بچا لیا ہے! شاید یہ بات بہت سی طبیعتوں پر ناگوار گزرے اور اسے قومی ہیرو کی ناقدری پر محمول کرے۔

پاکستانی قوم کے مزاج میں یہ جو اختلال راسخ ہو گیا ہے بلکہ رَچ بَس گیا ہے اس کا تدارک کیے بغیر یہ قوم غربت، افلاس، بے روزگاری اور بھکاری پن سے چھٹکارا نہیں پاسکتی۔ اس مرض سے چھٹکارا نہ پانے کا مطلب ذلت و مسکنت کی اتھاہ گہرائیوں میں ہمیشہ کے لیے غرق رہنا ہے۔ پاکستانی قوم کے مزاج کا یہ اختلال اہلِ مذہب اور اہلِ ادب کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔ کیا یہ مسئلہ اہل منبر و محراب کے دل گرما دینے والے خطبوں اور شعر و ادب کے دیوتاؤں کے ڈراموں، ناولوں، افسانوں اور شعری و شاعری کا موضوع بن سکتا ہے؟

بقیہ: اجتماعی مایوسی سے کیسے بچا جائے؟

اسی طرح حدیث مبارک میں فرمایا گیا ہے کہ جب تم دیکھو کہ لوگ بخل کر رہے ہیں اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، دنیا کو ہر معاملے میں ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہے تو ایسے میں خاص طور پر اپنی اصلاح کی فکر کرو اور عام لوگوں کے معاملے کو چھوڑ دو۔ [۱]

مذکورہ بالا خطوط پر چل کر ہی ان اندھیروں کو روشنی میں بدلا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین (مرتب محمد اویس نعیم)

---

[۱] سنن ترمذی کتاب التفسیر، رقم الحدیث ۲۹۸۴، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۳۴۱، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۴

عقل و دانش

استیو جابز

ایک ارب پتی امریکی کی وصیت

جو ہمارے لیے بھی سبق آموز ہے

ممتاز کاروباری شخصیت اور ایپل کمپنی کے چیئرمین، ارب پتی اسٹیو جابز، 56 سال کی عمر میں لبلبے کے کینسر کے باعث انتقال کر گئے۔ انہوں نے 7 ارب ڈالر کی دولت چھوڑی۔ ان کے آخری الفاظ یہ تھے:

''میری موجودہ حالت سے، میری زندگی کامیابی کا جوہر نظر آتی ہے لیکن مجھے اپنے پاس موجود چیزوں سے زیادہ خوشی محسوس نہیں ہوتی۔ آخر میں، دولت محض ایک عدد بن گئی ہے یا ایسی چیز جس کی میں عادت ڈال چکا ہوں۔

اس لمحے، جب میں اپنے بستر پر لیٹا ہوں، بیمار ہوں اور ماضی کی زندگی کو یاد کر رہا ہوں، مجھے احساس ہوتا ہے کہ میری ساری شہرت اور دولت موت کے سامنے بے معنی ہے۔

آپ ڈرائیور کو گاڑی چلانے کے لیے، یا ملازم کو آپ کے کام کرنے کے لیے، یا منیجرز کو آپ کے کاروبار کو چلانے اور مزید پیسہ اور شہرت حاصل کرنے کے لیے تنخواہ پر رکھ سکتے ہیں لیکن یقیناً آپ کسی کو بھی، کسی قیمت پر بھی، اپنے درد یا بیماری کو برداشت کرنے کے لیے کرائے پر نہیں لے سکتے۔ انسان جتنی بھی مادی چیزیں چاہے، حاصل کر سکتا ہے، لیکن ایک چیز جو کھو جانے پر کبھی واپس نہیں ملتی وہ ہے ''زندگی''۔

جیسے جیسے ہم عمر میں بڑے ہوتے جاتے ہیں، ہم زیادہ سمجھدار ہوتے جاتے ہیں اور ہمیں احساس ہوتا ہے کہ چاہے گھڑی کی قیمت 30 ڈالر ہو یا 3000 ڈالر، دونوں ایک ہی وقت دکھاتی ہیں۔

اور ہمیں احساس ہوتا ہے کہ چاہے ہم 30 ڈالر کے یا 500 ڈالر کے بٹوے میں پیسے رکھیں، رقم وہی رہتی ہے۔

اور چاہے ہم 150,000 ڈالر کی گاڑی چلائیں یا 15,000 ڈالر کی، راستہ اور فاصلہ وہی رہتا ہے، اور ہم آخر کار ایک ہی منزل پر پہنچتے ہیں۔

چاہے ہم 300 مربع میٹر کے گھر میں رہتے ہوں یا 3000 مربع میٹر کے، تنہائی وہی رہتی ہے اور ہم چند میٹر سے زیادہ جگہ پر نہیں سوتے۔

آپ کی حقیقی اندرونی خوشی مادی چیزوں سے نہیں آتی جو آپ کے پاس ہیں۔ چاہے آپ فرسٹ کلاس میں سفر کریں، یا اکانومی کلاس میں، اگر جہاز گر جائے تو سب مَر جاتے ہیں۔

لہٰذا، مَیں امید کرتا ہوں کہ آپ سمجھیں کہ جب آپ کی زندگی میں ایک اعلیٰ مقصد ہو اور آپ نے دوسروں کو خوش کیا ہو، تو یہی حقیقی خوشی ہے۔

چند حقائق اور بھی ہیں جن پر ہمیں دھیان دینا چاہیے:

۱۔ اپنے بچوں کو امیر ہونا نہ سکھائیں، انہیں خوش ہونا سکھائیں تاکہ جب وہ بڑے ہوں تو انہیں چیزوں کی قدر معلوم ہو، نہ کہ قیمت۔

۲۔ اپنا کھانا دوا کی طرح کھائیں ورنہ آپ کو دوا کو کھانے کی طرح کھانا پڑے گا۔

۳۔ اپنا پیسہ دھوپ میں چھوڑ دو اور خود سایہ میں بیٹھو۔ اپنے آپ اور اپنے اردگرد کے لوگوں پر خرچ کرنے میں بخل نہ کرو کیونکہ پیسہ ہمیں جینے کے لیے دیا گیا ہے، نہ کہ پیسے کے لیے جینا۔

۴۔ ان لوگوں سے محبت کرو جنہیں اللہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور ان کے ساتھ احسان کرو کہ ایک دن آپ کو ایک دوسرے کی ضرورت ہوگی۔

۵۔ اگر آپ امیرانہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو اکیلے جاؤ لیکن اگر آپ خوش رہنا چاہتے ہیں تو دوسروں کے ساتھ جاؤ۔

اگر آپ نے یہ پڑھ لیا ہے تو اللہ کا شکر ادا کریں، ان نعمتوں کے لیے جو بے شمار ہیں۔

Nusus (it should be noted that no general principles (usul) have been derived from these isolated incidents by our fuqaha including Jafri fuqaha). The result is that Feminism has emerged leading anti-Islamic, pre-imperialist, political and social movement in the Islamic republic of Iran. Similarly women in higher education institutions and the armed forces has led to an explosion of ghair nikahi marriages and an unprecedented abuse of the muta' contract throughout Iranian society.

Facilitating women's participation in public order endorses the devalorization of femininity. It is a means for undermining the religious character of Afghan society and for enabling a capitalist society in Afghanistan. In Sha Allah we will not fall into this imperialist trap.

بقیہ: سبق: ⑩ تدریس القرآن

٦۔ يَظُنُّوْنَ: ظن کے معروف معنی ظن وتخمین کے ہیں لیکن اس کے لغوی معنی غیب کے بارے میں رائے قائم کرنے کے بھی ہیں جو یقینی بھی ہوسکتی ہے۔اسی وجہ سے بعض مفسرین نے یہاں يَظُنُّوْنَ کا ترجمہ ''جو یقین کرتے ہیں'' بھی کیا ہے۔

٧۔ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ: کا مطلب ہے باجماعت نماز پڑھنا۔

٨۔ فَاتَّقُوْنِ: اصل میں فَاتَّقُوْنِي تھا یعنی مجھ ہی سے ڈرو۔

مفہوم کا خلاصہ

۱۔ یہاں سے یہودیوں سے خطاب شروع ہوتا ہے اور انہیں مطعون کیا جارہا ہے کہ تم اچھی طرح یہ جاننے کے باوجود کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے جو تم پر بھیجی گئی کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے لیکن تم محض اپنے حقیر دنیوی مفادات کی وجہ سے ایمان نہیں لارہے ہو۔کیا تمہیں اللہ کا خوف نہیں ہے کہ تمہیں اللہ کے حضور حاضر ہونا اور اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہونا ہے۔

۲۔ مسلمانوں سے کہا جارہا ہے کہ باقاعدگی سے باجماعت نماز ادا کرو اور زکوۃ دو۔دوسروں کو نیکی کی تلقین سے پہلے خود دین پر عمل کرو اور اس راہ میں جو مشکلات درپیش ہوں ان پر صبر اور نماز سے مدد لو۔نماز بے شک عظیم چیز ہے لیکن اس پر کاربند وہی ہوسکتے ہیں جو اللہ کے حضور عاجزی اختیار کریں اور انہیں آخرت میں جواب دہی کا یقین ہو۔

حاصل کردہ سبق

۱۔حقیر دنیاوی مفادات کی وجہ سے حق کا انکار نہ کرو۔ایمان اور آخرت کے مقابلے میں ہر دنیاوی مفاد حقیر ہے خواہ بظاہر کروڑوں اربوں کا ہی فائدہ کیوں نہ ہو۔

۲۔ باجماعت نماز ادا کیا کرو۔ ۳۔ یہ غلط رویہ ہے کہ دوسروں کو نیکی کی نصیحت کرو اور خود اس پر عمل نہ کرو۔

۴۔ مشکل حالات میں صبر اور نماز سے مدد لو۔

۵۔ آخرت کو یاد رکھو کہ اللہ کے حضور حاضر ہوکر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔

women and injured 1.7 million women (not to count those women who were widowed, lost their sons and fathers in imperialist air raids) are now shamelessly championing women's "rights" – the "rights" to submit to capitalist production and governance processes. The imperialists seek the destruction of traditional Afghan Muslim society in the hope that this will eventually lead to a delegitimation of Islamic rule and the replacement of the Islamic government by a pro-imperialist administration. Spreading lewdness in Afghan society in a major aim of imperialism – after all UN staff are notorious for the sexual crimes they have frequently committed in Sub-Sahara Africa and Latin America. Imperialism seeks the commodification of private life in Afghanistan.

The stance of the Islamic government is in line with mainstream Islamic teachings and also in line with the practices in Islam's pre-imperialist twelve hundred years of history. Women were excluded from participation in public life in all Islamic societies in the pre-imperialist societies. In no Muslim society prior to the imperialist era were provisions made for women's higher education or for their professionalism in production and governance processes. Indeed higher education facilities for women were not provided in pre-capitalist Christian, Jewish and Hindu social order either. Contemporary higher education is a capitalist invention participation in which necessarily leads to the destruction of femininity.

If Islamic social order is to be preserved in Afghanistan the sanctity of family/private life has to be assured and the capitalist mode of production is to be rejected. The Islamic government must continue to stand firm on the stand it has taken resisting the imperialist assault on femininity.

The disastrous consequence of any relaxation in this regard has already been seen in the Islamic Republic of Iran where participation of women in public life has been legitimated on the basis of isolated exceptional incidents reported in the

commodification of women's bodies has led to the development of pornography and entertainment as the leading industries of the world. The Feminist movement demands greater women's participation in capitalist civil society – more jobs, more access to governance roles, more sexual freedom, more defeminization, more "relief" from child and elderly care responsibilities. The Feminist movement is in effect a movement for the defeminiztion of women through a devalorization of the role of the mother and wife.

As our lord and master Hazrat Maulana Muhammad Marmaduke Pickthall – may Allah bless him – taught capitalism is essentially a spiritual force – the spirit of takhathur. This spirit seizes control of man's labor and man's wealth to produce and reproduce capitalist individuality – an individuality dominated by the vice of avarice (hirs) and covetousness (hasad). Capitalism stands Christianity on its head. Christianity regarded avarice and covetousness as evil to be suppressed through penance and prayer. Capitalism celebrates the universal practice of avarice and covetousness.

Creating capitalist individuality requires the destruction of private life – the sphere of the family for the nurturing of love, devotion and self-sacrifice. Capital penetrates the private sphere in its perpetual quest for the commodification of all aspects of being. It cannot tolerate the existence of the mother and the wife – the embarkments of love, devotion and self-sacrifice. It crushes femininity hypocritically calling it Feminism. The capitalist individual is an isolated, alienated being who knows nothing of love or self-sacrifice. He is human capital obsessed with the desire to relentlessly accumulate through the praxis of capitalist rationality.

The Imperialist Assault on Femininity

Having destroyed femininity in the West and in much of East Asia, imperialism is seeking to destroy it in the Muslim world and especially in the Islamic states of Iran and Afghanistan. The attack on femininity is especially strong and protracted in Afghanistan. The imperialists who killed about 193000

principal sphere for the nurturing of the spiritual qualities of man.
The family is the principle source for the nurturing of man's spiritual qualities and the principle agent for creating individual moral consciousness through the mother and the wife. Women rule the private sphere within Islamic society. Their rights and duties are all centered on their role as queen of the household – their rights and duties are fully elucidated in the edict on the subject issued by Hazrat Ameer-ul-Moumineen issued in the early days of the Revolution in January 2022. Love, selflessness, devotion and the spirit of sacrifice are nurtured constantly and continuously by the acts of the wife and the mother.
Creating and sustaining Islamic consciousness is a fulltime, life-long activity and the indispensable means for the nurturing of femininity. That is why Islam relieves the women of the duty to participate in production and governance – the sphere of the public order. Women's participation in production and governance necessarily destroys femininity and erodes family life and family life disintegration implies the deconstruction of Islamic individuality – the nurturing of the spiritual qualities of man's being.

The Capitalist Attack on Femininity

Despite its valorization of chastity, Christianity paved the way for capitalism's sustained attack on femininity. It did so by devaluing the status of the mother and the wife through its institution of nunnhood (separating women from the family sphere). From the Convent to the Factory was an easy transition. Christianity's subsumption within capitalism's civil society is so comprehensive that Pope Francis has become an advocate of homosexuality rights.
Capitalism's attack on femininity began in the 19th century and is now in full cry. This attack has taken two forms. First the commodification of female labor is almost complete in the West and growing rapidly in non-Muslim South and East Asia (especially in China and India). Secondly the

Dr. Javed Akbar Ansari

Excluding Women from Public Order
The Islamic Case

The Islamic Emirate of Afghanistan's stance on women's role in national life is viewed with suspicion even among some Islamic circles. This is especially so with regard to the Islamic government's decision to exclude women from higher education. This paper seeks to present the Islamic case for the general exclusion of women from public order. We begin by clarifying the nature of the distinction between public and private order.

Private and Public Order

Private life is that sphere of existence in which individual consciousness is formed. Most world religions – Islam, Judaism, Christianity, even Hinduism – recognize the primacy of private life in the formation of being. That is why a large proportion of Sharia injunctions relate to the private life of the individual.

Liberalism, and most idealist thinkers, at least theoretically acknowledge the primacy of private life in social order. But they view the formation of individual consciousness as unproblematic. It is assumed that everyone is naturally selfish, pleasure and power seeking. Socialists and nationalists in general reject the primacy of private order and believe that individual consciousness is formed in public order through communicative interaction. Man in this view is a species being and forms his nature through interaction in a community of "associated procedures".

Islam rejects, as does non-revisionist Christianity, the liberal and socialist conceptions of being. According to Islam man possess both angelic and bestial qualities. He is inclined both to the satisfaction of his biological desires and to the fulfilment of his spiritual needs. The private circle is the